تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ
(القرآن)
رجم کی شرعی حیثیت
حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مدظلہ
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی
مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی ۷۴۸۰۰

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (القرآن)

رجم کی شرعی حیثیت

- حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ
- حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی مدظلہ
- حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مکتبہ بینات علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی ۷۴۸۰۰

بصائر و عبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

رجم کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ سامنے آنے کے بعد ملک کے اخبارات و جرائد خصوصاً دینی رسائل میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ گذشتہ اشاعت میں ہم نے بھی لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔

زیر نظر شمارہ اسی مسئلہ کے لئے مخصوص ہے۔ جس میں اس موضوع پر ایک مختصر سا مضمون حضرت اقدس مفتی محمد شفیعؒ کا ہے جو اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں شائع ہوا، یہ مضمون اگرچہ الگ بھی شائع کیا جا چکا ہے مگر اس کے اختصار و جامعیت کے پیش نظر گویا مقدمہ کی حیثیت سے اسے شریک اشاعت کرنا مناسب سمجھا گیا۔

دوسرا مقالہ جناب مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی کا ہے۔ جس میں نفسِ مسئلہ سے قبل انکار رجم کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مقالہ ایک قیمتی دستاویز ہے۔

تیسرا مقالہ راقم الحروف کا ہے۔ جس میں کتاب و سنت اور اجماع امت سے رجم کے دلائل جمع کرنے کے علاوہ منکرین رجم کے قدیم و جدید شبہات سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ ماہنامہ بیّنات کی یہ اشاعتِ خاص اس موضوع پر کسی حد تک کافی و شافی ہوگی۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی پاک بارگاہ میں التجا ہے کہ اس ناچیز محنت کو شرف قبول عطا فرمائیں۔

رجم کی سزا

قرآن و سنت کی روشنی میں

★ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے: پتھر مارنے: وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ (۱۱: ۹۱)؛ لَأَرْجُمَنَّكَ (۱۹: ۴۶)؛ يَرْجُمُوكُمْ (۱۸: ۲۰، مزید دیکھئے ۳۶: ۱۸ و ۴۴: ۲۰ و ۶۷: ۵ و ۲۶: ۱۱۶) اور لعنت کرنا، دھتکارنا (دیکھئے ۱۵: ۳۴ و ۸۱: ۲۵ و ۳: ۳۶)، اٹکل پچو، تخمینہ لگانا (۱۸: ۲۲) اور تہمت لگانا (۱۹: ۴۶)۔

فقہی اصطلاح میں "رجم" اس حد (شرعی سزا) کو کہا جاتا ہے جو محصن (تشریح آگے آئے گی) زانی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جس میں مجرم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے، ذیل میں اسی سزا کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے گی۔

شرعی سزا کے طور پر "رجم" کا تذکرہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ملتا ہے؛ موجودہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ موسوی شریعت میں "رجم"، یعنی سنگسار کر کے ہلاک کر دینا متعدد جرائم کی سزا تھی:

(۱) زنا کی (احبار، ۲۰: ۱۰ و استثنا، ۲۲: ۲۱ تا ۲۷)؛ (۲) شرک اور بت پرستی کی دعوت دینے کی (استثنا، ۱۳: ۱۰ و ۱۷: ۶)؛ (۳) بتوں کے نام پر نذر کرنے کی (احبار، ۲۰: ۲)؛ (۴) ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی (استثنا، ۲۱: ۲۱)؛ (۵) خدا کے نام پر لعنت کرنے کی (احبار، ۲۴: ۱۶ و ۱-سلاطین، باب ۲۱)؛

(۶) حضرت یوشع علیہ السلام ، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے ، کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بنا پر بھی سنگسار کیا تھا (یشوع، ۷: ۱۶ تا ۲۶)۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت میں " رجم " کی سزا صرف اس زناکار کے لئے مخصوص کر دی گئی جو شادی شدہ ہو اور جس میں " مُحصَن " کی وہ شرائط پائی جاتی ہوں جن کا بیان آگے آ رہا ہے۔ اور اس سزا کا اصل ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنیً متواتر ہیں (الآلوسی : رُوح المعانی ، ۱۸ : ۷۹ ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر) ۔

قرآن مجید میں صراحۃً اس سزا کا ذکر نہیں ہے، البتہ سورۃ المائدہ کی آیات يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ (تا) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵ : ۴۱ تا ۴۴) میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ، کیونکہ ان آیات کے مستند شان نزول کے مطابق ان آیات میں " حُكْمُ اللّٰهِ " اور " مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ " سے مراد زانی کو رجم کی سزا دینے کا حکم ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ آیات ایک ایسے یہودی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جس نے زنا کر لیا تھا اور یہودی اس کا فیصلہ اس خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے کہ اگر آپ نے رجم کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کیا تو اسے مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ کیا تو اس سے انکار کر دیں گے آیات مذکورہ میں اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۔ سے یہی مراد ہے ۔ پھر آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا اور ان پر یہ بھی ثابت کر دیا کہ خود تورات میں بھی رجم ہی کا حکم مذکور ہے ۔ اس موقع پر علمائے یہود نے یہ اعتراف بھی کیا کہ تورات میں زنا کی اصل سزا رجم ہی تھی ؛ پھر جب یہودی شرفاء میں زنا کا رواج عام ہوا تو ہم نے شرفاء کو اس سزا سے مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا ؛ بعد میں اس تفریق کو ختم کرنے کے لئے ہم نے رجم کی سزا کو بالکل ہی موقوف کر دیا اور اس کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کر دی (دیکھئے مسلم : الصحیح ، کتاب الحدود ، ۲ : ۷۰ ، مطبوعہ کراچی و ابن کثیر : تفسیر ، ۲ : ۵۷ تا ۶۰ ، مطبعہ مصطفی محمد ، مصر ۱۳۵۶ ھ)

لہذا صاف بات یہ ہے کہ رجم کا ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنی متواتر ہیں اور قرآن مجید میں اس حکم کا مذکور نہ ہونا اس کے عدم ثبوت کی دلیل نہیں، جس طرح نمازوں کے اوقات اور ان کی رکعات کی تعداد قرآن مجید میں موجود نہیں، لیکن متواتر احادیث اور مسلسل تعامل کی وجہ سے ان کا ثبوت ناقابل انکار ہے، اسی طرح رجم کا ثبوت بھی متواتر احادیث اور اجماعی تعامل کی بنا پر ہوا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز گزر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے؛ پھر کہیں لوگ ایسے فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں جو اللہ نے نازل کیا تھا؛ خوب سن لو کہ رجم کا حکم اس شخص کے لئے حق ہے جو محصن ہونے کی حالت میں زنا کرے جب کہ اس پر گواہیاں قائم ہو جائیں یا حمل ثابت ہو جائے یا ملزم خود اعتراف کر لے" (البخاری: الصحیح، ۲: ۱۰۰۷، اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)۔

حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو رجم کرنے کے بعد فرمایا:

"میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق رجم کیا" (البخاری: الصحیح، ۲: ۱۰۰۶، باب رجم المحصن)۔

جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زانی محصن کو رجم کرنے کا حکم یا عمل روایت کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ، جابرؓ بن عبداللہ، ابوہریرہؓ، عائشہؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، زیدؓ بن خالدؓ (ان سب کی روایات البخاری: الصحیح، ۲: ۱۰۰۶ تا ۱۰۱۱ میں موجود ہیں)۔ عبادہؓ بن صامت، سلمہؓ بن المحبق، ابوبرزہؓ، ہزالؓ، جابرؓ بن سمرہ، لجلاجؓ، ابوبکر صدیقؓ، بریدہؓ، ابوذر غفاریؓ، نصرؓ بن دہر اسلمی، عمرانؓ بن حصین، ابوبکرہؓ، ابوسعید خدریؓ، نعمانؓ بن بشیر، براءؓ بن عازب (ان کی روایات مسند احمد میں مروی ہیں، دیکھئے الفتح الربانی، ۱۶: ۸۱ تا ۱۰۵، مصر ۱۳۷۱ھ)، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن مسعودؓ (البیہقی:

السنن الکبریٰ، ۸ : ۲۱۱ و ۲۱۳ دائرۃ المعارف، دکن ۱۳۵۴ھ)؛ نُبیشہؓ بن محرّیث، انسؓ بن مالک، عجماءؓ، سہلؓ بن سعد، عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء (الہیثمی: مجمع الزوائد، ٦: ۲٦۴ و ۲٦۵ و ۲٦۸ و ۲۷۱، دارالکتاب بیروت ۱۹٦۷ء)؛ وائلؓ بن حجر (محمد بن محمد: جمع الفوائد، ۱ : ۵۲۷، المدینۃ المنورہ ۱۳۸۱ھ)؛ عثمانؓ بن عفان اور ابو امامہؓ بن سہل بن حنیف (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۰۱، اصح المطابع کراچی) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانے میں شادی شدہ زنا کرنے والوں پر رجم کی سزا عائد کرنے کے متعدد واقعات پیش آئے جن میں زیادہ مشہور واقعات چار ہیں :
ایک حضرت مَاعِزؓ ابن مالک اسلمی کا ، دوسرے بنو غامد کی ایک عورت کا، تیسرے ایک اعرابی کی بیوی کا جس کے رجم کے لئے آپؐ نے حضرت اُنَیسؓ اسلمیؓ کو بھیجا تھا، اور چوتھے دو یہودیوں کا جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے ۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں ۔
پہلے تینوں واقعات میں مجرموں نے خود زنا کا واضح اعتراف کیا تھا ۔ گواہوں کے ذریعے رجم کا کوئی واقعہ عہد رسالت میں مسلمانوں کے درمیان پیش نہیں آیا ۔ البتہ یہودیوں کا رجم گواہوں کی بنا پر ہوا تھا ۔ (ابوداؤد: السنن، ۲ : ٦۱۲۷، اصح المطابع، کراچی) ۔

قرآن مجید کی آیت الزانیۃ والزانی فاجلدوا کلّ واحد منھما مائۃ جلدۃ (۲۴ [النور] : ۲؛ یعنی زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مردمیں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ) میں جو حکم مذکور ہے وہ مذکورہ احادیث متواترہ کی بنا پر باجماع صرف غیر شادی شدہ زانی کا حکم ہے اور یہ خیال درست نہیں ہے کہ رجم کے واقعات اس آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں اور اس آیت نے رجم کے حکم کو منسوخ کر کے ہر قسم کے زانی کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر کر دی ہے ، اس لئے کہ مضبوط دلائل سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد رجم پر عمل فرمایا ہے، یہ آیت سورۃ النور کی ہے جو واقعۂ اِفک (۴ھ یا ۵ھ یا ٦ھ) میں نازل ہوئی تھی، لہٰذا اس کا نزول زیادہ سے زیادہ ٦ھ میں ہوا ہے (ابن حجر: فتح الباری، ۱۲ : ۱۰۰، مصر ۱۳۴۸ھ)

اور رجم کے تقریباً تمام واقعات ٦ھ کے بعد کے ہیں، اس لئے کہ متعدد ایسے صحابہ نے رجم کے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے جو ٦ھ کے بعد اسلام لائے تھے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ۔ صحیح بخاری میں تصریح ہے کہ عسیف والے واقعہ میں وہ خود موجود تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وہ خود فرماتے ہیں: کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ (البخاری: الصحیح، باب الاعتراف بالزنا، ۲ : ۱۰۰۸، اصح المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ) حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ خیبر کے موقعہ پر (۷ھ میں) اسلام لاتے ہیں۔ اسی طرح البزارؒ اور الطبرانیؒ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء یہودیوں کے رجم میں شریک تھے، فرماتے ہیں: فَکُنْتُ فِی مَنْ رَجَمَهُمَا (الہیثمی: مجمع الزوائد، ٦ : ۲۷۱، دارالکتاب، بیروت ۱۹٦۷ء) اور وہ اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد اسلام لائے تھے (دیکھئے فتح الباری، ۱۲ : ۱۴۴، باب احکام اہل الذمة واحصانہم اذا زنوا، المطبعة البہیة، مصر ۱۳۴۸ھ)۔ ادھر احمد: مسند اور الطبرانی: معجم میں حضرت ابن عباس انہیں یہودیوں کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: فَکَانَ مِمَّا صَنَعَ اللّٰہُ لِرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ علیہ واٰلہٖ وسلّم فِی تَحْقِیْقِ الزِّنَا مِنْهُمَا (مجمع الزوائد ٦ : ۲۷۱) یعنی اللہ نے اپنے رسولؐ کے لئے زنا کے حکم کی تحقیق ان یہودیوں کے ذریعہ کرائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا واقعہ رجم کا سب سے پہلا واقعہ تھا؛ باقی تمام واقعات اس کے بعد ہوئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رجم کے تمام واقعات فتح مکہ کے بعد ہوئے ہیں، یعنی سورة النور نازل ہونے کے کم ازکم دو سال بعد، لہٰذا اگر سورة النور کا حکم ہر قسم کے زانی کے لئے ہوتا تو آپؐ اس کے نزول کے بعد کسی کو رجم نہ فرماتے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ کا رجم فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورة النور کا حکم صرف غیر محصن زانی کی شرعی سزا رجم کرنے کا حکم مسلمانوں میں اجماعی اور غیر مختلف فیہ رہا ہے۔ علامہ الآلوسی لکھتے ہیں:

> "صحابہ کرام، اسلاف، علمائے امت اور ائمہ مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ زانی محصن کو سنگسار کیا جائے گا اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے۔"
>
> (روح المعانی، ۱۸ : ۷۸ و ۷۹، ادارة الطباعة المنیریة مصر)

علامہ کمال الدین ابن الہمام لکھتے ہیں :

"رجم پر صحابہؓ اور تمام پچھلے علمائے اسلام کا اجماع ہے اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے ، اس لئے کہ اگر وہ اجماع صحابہ کی حجیت کا انکار کریں تو یہ جہل مرکب ہے ، اور اگر وہ خبر واحد کی حجیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ رجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں تو ، علاوہ اس کے کہ خبر واحد کی حجیت سے انکار دلائل کی رُو سے باطل ہے یہ مسئلہ خبر واحد سے متعلق ہی نہیں ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجم کا ثبوت معنیً ایسا ہی متواتر ہے جیسے حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت ۔ رہیں اخبار آحاد ، سو وہ صرف رجم کی صورتوں اور خصوصیات کی تفصیل سے متعلق ہیں ۔ جہاں تک رجم کے اصل حکم کا تعلق ہے ، اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں .... اور خوارج بھی عام مسلمانوں کی طرح متواترِ معنوی پر عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں ، لیکن چونکہ وہ صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے اور مسلمان اہل علم اور راویوں سے انہوں نے تعلق نہیں رکھا ، اس لئے وہ بہت سی جہالتوں میں مبتلا ہو گئے ، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے رجم پر یہ اعتراض کیا کہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں ہے تو حضرت عمرؒ نے ان سے کہا کہ پھر رکعات نماز کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقداریں کہاں سے ثابت ہوئیں ؟ انہوں نے کہا کہ حضورؐ اور مسلمانوں کے عمل سے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا : "رجم بھی اسی طرح ثابت ہوا ہے"۔

(ابن الہمام : فتح القدیر ، ۴ : ۱۲۱ و ۱۲۲ ، بولاق ۱۳۱۶ ھ)۔

پھر اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ رجم کی سزا صرف اس زانی کے لئے ہے جس میں احصان کی شرائط پائی جاتی ہوں ، لیکن ان شرائط کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے :
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجم کے حکم میں مُحصَن اس شخص کو کہیں گے جو مسلمان ہو ، آزاد ہو ، عاقل و بالغ ہو اور کسی مسلمان ، عاقل ، بالغ اور آزاد عورت کے ساتھ نکاح صحیح کے ذریعے تعلقات

زنا شوئی قائم کرچکا ہو۔ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اسے محصن نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر وہ زنا کرے تو اس کی سزا رجم کے بجائے سو کوڑے ہوگی (ابن نجیم: البحر الرائق ۵: ۱۱، المطبعۃ العلمیہ، مصر)۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی احصان کی یہی شرائط ہیں، البتہ ان کے نزدیک ایک شرط اور ہے۔، اور وہ یہ کہ اس نے اپنی منکوحہ سے خلوت صحیحہ کی ہو، لہٰذا حیض یا روزے کی حالت میں خلوت سے احصان متحقق نہیں ہوگا (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۰، المطبعۃ الازہریہ، مصر ۱۳۸۹ھ)۔ امام شافعیؒ کے نزدیک احصان کے لئے نہ مجرم کا مسلمان ہونا شرط ہے اور نہ اس کی منکوحہ کا مسلمان یا آزاد ہونا (الشافعی: کتاب الأم ۶: ۱۵۴، المطبعۃ الازہریہ، مصر ۱۳۸۱ھ)۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان ہونا تو شرط نہیں، لیکن اس کی منکوحہ کا آزاد ہونا ضروری ہے (ابن قدامہ: المقنع، ۳: ۴۵۲ و ۴۵۳، المطبعۃ السلفیہ الروضہ ۱۳۸۲ھ)

یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ ایسے محصن شخص کا صرف وہی زنا رجم کا مستوجب ہے جس میں حلال ہونے کا کوئی شبہ نہ ہو، لہٰذا جہاں نکاح شبہہ بھی پایا جاتا ہو وہاں رجم نہیں ہوگا (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۶۷)۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ زنا کا ثبوت دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، ایک مجرم کے اعتراف و اقرار سے، دوسرے گواہوں سے۔ جہاں تک اعتراف کا تعلق ہے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک میں یہ ضروری ہے کہ یہ اقرار چار مرتبہ ہو، اور اقرار کرنے والا ہر مرتبہ اپنی جگہ بدل کر اقرار کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک چار مرتبہ ہونا تو ضروری ہے مگر جگہ بدلنا ضروری نہیں (ابن الہمام: فتح القدیر ۴: ۱۱۷)۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ اعتراف کر لینا بھی کافی ہے (بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۳)۔ گواہوں کے بارے میں اس پر اتفاق ہے کہ کم از کم چار گواہ ہونے ضروری ہیں جنہوں نے اپنی آنکھ سے مجرم کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور صریح الفاظ میں بغیر کسی کنایہ کے اس کی گواہی دی ہو (حوالۂ سابق)۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ قاضی ان پر جرح کرے اور ان کی عدالت و صداقت کی مکمل تحقیق ہو جانے پر رجم کا حکم دے (فتح القدیر، ۴: ۱۱۵ و ۱۱۶)۔

رجم کا طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو کسی کھلی جگہ میں لے جایا جائے جہاں عام لوگ بھی موجود ہوں۔

اگر مجرم عورت ہو تو اس کے لئے گڑھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کردینا مناسب ہے، پھر اگر زنا کا ثبوت گواہوں سے ہوا ہے تو پتھر مارنے کی ابتدار گواہ کریں گے، اور اگر اعتراف سے ہوا ہے تو ابتدار امام المسلمین کرے گا، پھر تمام حاضرین رجم میں حصہ لیں گے یہاں تک کہ مجرم کی موت واقع ہو جائے (فتح القدیر، ۴: ۱۲۳ و ۱۲۴)۔

اسلام کا اصل منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ رجم کی سزا کم سے کم جاری ہو، لیکن جب جاری ہو تو سالہاسال کے لئے سامان عبرت بن جائے اور اس کی دہشت جرم کی لذت پر غالب آجائے۔ چنانچہ اوّل تو معاشرہ میں عفت وعصمت عام کرنے کے لئے ایسے احکام وضع کئے گئے ہیں جن کی موجودگی میں زنا کا صدور مشکل سے مشکل تر ہو جائے، پھر قابل رجم زنا کے ثبوت کے لئے شرائط انتہائی سخت رکھی گئی ہیں، چار قابل اعتماد گواہوں کا بغیر کسی کنایہ کے صریح الفاظ میں چشم دید واقعہ کی گواہی دینا اسی وقت ممکن ہے جب کہ مجرم نے جرم کا ارتکاب کھلم کھلا کیا ہو، پھر اگر سزا جاری ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی رجوع کرلے یا گواہی دیتے وقت ان میں کوئی معمولی اختلاف ہو جائے یا اقرار کی صورت میں مجرم کسی بھی وقت، یہاں تک کہ سزا جاری ہونے کے دوران میں بھی، اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے (فتح القدیر، حوالہ سابق)۔ اس کے علاوہ دوسرے معمولی معمولی شبہات کی بنا پر سزا کو ساقط کر دیا گیا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ دوسری طرف اگر کسی پر زنا کا الزام لگانے کے بعد کوئی شخص قانونی شرائط کے مطابق اسے ثابت نہ کر سکے تو اس کے لئے اسّی کوڑوں کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ ان کڑی شرائط کے باوجود اگر کسی شخص سے قابل رجم زنا کا صدور ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا یہ عضو سڑ چکا ہے جسے کاٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں، پھر اس عضو پر رحم کرنا پورے جسم پر ظلم کے مرادف ہے۔

استاذ عبدالقادر عودہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"بعض لوگ آج زانی محصن کے لئے رجم کی سزا کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ محض ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے جس پر خود ان کے دلوں کو یقین نہیں، اگر ان میں سے کسی شخص کو اپنے بہت قریبی حلقوں میں یہ واقعہ پیش آجائے تو اس کا ردعمل شاید

اس سے بھی سخت ہوگا) ۔ اسلامی شریعت نے اس مسئلہ میں بھی اپنے دوسرے احکام کی طرح باریک بینی اور انصاف کی روش اختیار کی ہے ۔ ۔ ۔ جو لوگ زانی کو قتل کرنے کے تصور سے گھبرا اٹھتے ہیں ، اگر وہ واقعات کی دنیا کو دیکھیں تو ان پر حقیقت واضح ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے کہ اسلام نے زانی محصن کو سنگسار کرنے کا حکم دیکر کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے انسانی طبیعت مانوس نہ ہو ۔ آج کے مروّجہ قانون ہی کو دیکھ لیجئے ، اگر زنا کے مجرموں میں سے کوئی ایک شادی شدہ ہو تو اس قانون کی رو سے اس کی سزا صرف قید ہے ، اور اگر کوئی شادی شدہ نہ ہو تو جب تک جبر و اکراہ نہ ہو ، کوئی سزا نہیں ؛ یہ موجودہ قانون کا فیصلہ ہے ، لیکن کیا لوگ قانون کے اس فیصلے پر راضی ہو گئے ہیں ؟ حقیقت یہ ہے کہ لوگ نہ اس پر راضی ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں ۔ اس کے بجائے وہ مروّجہ قانون کو توڑتے ہیں اور زانی کو قتل کر کے اس سے انتقام لے کر رہتے ہیں ، اور بعض مرتبہ یہ انتقامی قتل رجم سے بھی زیادہ شدید طریقوں سے کئے جاتے ہیں ، سمندر میں ڈبو دینا ، آگ میں جلا دینا ، عضو عضو کاٹ ڈالنا اور ہڈیاں توڑ دینا ۔ (بعض اوقات یہ سلسلۂ قتل نسلوں تک جاری رہتا ہے) ۔ اس قسم کے واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں ۔ جب واقعہ یہ ہے تو ہم رجم کی سزا سے کیوں ڈریں ۔ ؟ اس سزا کو اختیار کرنا ایک حقیقت کو تسلیم کرنا ہے اور حقیقت کو تسلیم کرنا شجاعت اور فضیلت کی بات ہے ۔" (عبدالقادر عودہ : التشریع الجنائی الاسلامی ، ۱ : ۶۴۱ و ۶۴۲ ، مکتبۃ دار العروبہ ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ) ۔

مآخذ : (۱) القرآن المجید : (۴ [النسآء] : ۱۵) ، (۵ [المائدہ] : ۴۲ تا ۴۴) ، (۲۴ [النور] : ۲) اور آیات کے تحت تمام تفاسیر ، خصوصاً ؛ (۲) ابن کثیر : تفسیر ، المکتبۃ التجاریۃ الکبری ۱۳۵۶ھ ؛ (۳) محمود الآلوسی : روح المعانی ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ، مصر ؛ (۴) القرطبی : الجامع لاحکام القرآن ، دار الکاتب العربی ۱۳۸۷ھ ؛ (۵) قاضی

ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین دہلی؛ [(۶) نیز اردو تفاسیر بالخصوص امیر علی: مواہب الرحمٰن، بذیل آیات متعلقہ] ؛ نیز قرآن مجید میں رجم کا ذکر نہ ہونے پر لطیف و دقیق بحث کے لیے دیکھیے (۷) علامہ انور شاہ کشمیری: مشکلات القرآن، ص ۲۱۳، مطبوعہ مجلس علمی، دہلی ۱۳۵۷ھ؛ رجم سے متعلق احادیث کا بڑا ذخیرہ صحاح ستہ کے علاوہ (۸) الفتح الربانی (تبویب مسند احمد) جلد ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۳۷۱؛ (۹) البیہقی: السنن الکبریٰ جلد ۸، دائرۃ المعارف دکن ۱۳۵۴ھ؛ (۱۰) الہیثمی: مجمع الزوائد، جلد ۶، دار الکتاب، بیروت ۱۹۶۷ء؛ احادیث رجم کی مفصل تشریح کے لیے (۱۱) ابن حجر: فتح الباری، جلد ۱۲ مطبوعہ المطبعۃ البہیہ مصر بہترین ہے؛ (۱۲) السیوطی: الاتقان ۲: ۲۶ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱۳۱۸ھ؛ (۱۳) ابن امیر الحاج: التقریر والتحبیر ۳: ۶۶ بولاق ۱۳۱۷ھ؛ نیز اصول فقہ اور علوم القرآن کی کتب میں نسخ کی بحث دیکھیے؛ رجم کی فقہی تفصیلات کے لیے (۱۴) ابن رشد: بدایۃ المجتہد، جلد ۲، المطبعۃ الازہریۃ، مصر ۱۳۸۹ھ؛ (۱۵) ابن نجیم: البحر الرائق، جلد ۵، المطبعۃ العلمیۃ مصر؛ (۱۶) ابن الہمام: فتح القدیر جلد ۴، بولاق، ۱۳۱۶ھ ناگزیر ہیں۔ زنا کی مختلف صورتوں، ان کے احکام اور ان کی عقلی حکمتوں کے لیے دیکھیے (۱۷) عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی، جلد اول، مکتبۃ دار العروبۃ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ؛ (۱۸) عبدالعزیز عامر: التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۷۷ھ؛ (۱۹) احمد فتحی بہنسی: الجرائم فی الفقہ الاسلامی، مطبوعہ الشرکۃ العربیہ للطباعۃ والنشر، قاہرہ ۱۹۵۹ء)

(مفتی محمد شفیع)

(بشکریہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جامعہ پنجاب

مقالہ "رجم")
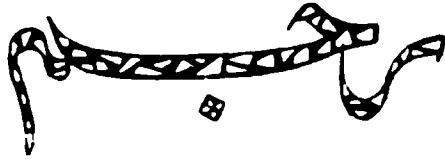
★ ——— حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ

رجم سنگسار کرنے کو کہتے ہیں۔ اسلامی سزاؤں میں یہ سب سے سخت سزا ہے جو بدکاری جیسے گھناؤنے جرم پر دی جاتی ہے، اس سزا کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر چار مرد گواہی نہ دے سکیں یا ان کی گواہی میں تضاد یا تعارض ہو تو گواہ حدِ قذف (تہمت لگانے کی سزا) سے بچ نہ سکیں گے۔ شریعت مطہرہ کا اس سے مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ اشاعتِ فاحشہ سے پاک ہو اس لئے بدکاری جیسا گناہ اور اُس کے چرچے کو اسلامی معاشرہ سے نیست و نابود کرنا مقصود ہے۔ موجودہ دور بدکاری اور اس کے چرچے سے پاک معاشرہ کا تصور نہیں کرسکتا کیونکہ دو سو سال سے جو نظام زندگی چل رہا ہے اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ڈارون کا نظریہ ارتقاء کارفرما ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء اگرچہ اب عقلی و استدلالی طور پر اہل علم و تحقیق کے نزدیک فرسودہ ہو چکا ہے لیکن اس میکانکی نظریہ کے اثراتِ بد نے دنیا کے نظریہائے زندگی کو یکسر تبدیل کرکے رکھ دیا۔ نظریہ ارتقاء کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق کے لحاظ سے جانور ہے اس لئے یہ دُم بریدہ بندر ہر قسم کی خیر و سعادت، روحانیت، اخلاق فاضلہ، رافت و رحمت، محبت و سوز و گداز سے خالی اور تہی داماں ہے۔ اس کو نہ کسی ضابطہ اخلاق کی ضرورت ہے نہ ہدایت و موعظت کی۔ اس کو تو صرف زندہ رہنے اور صرف اس دنیا کے دن کی زندگی گذارنے کے لئے چند خود ساختہ قوانین کی ضرورت ہے جن کا منتہا یہ ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ اب یہ قوانین بنا رہی ہے کہ عمل قوم لوط کوئی تعزیری جرم نہیں ہے اور جس طرح ایک عورت و مرد کو ایک ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر رہنے کی اجازت ہے اسی طرح دو مردوں کو بھی باہم آزادانہ شہوت رانی کی اجازت ہے اور ان کو میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے اور اس میکانکی معاشرہ میں اپنا مقام حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اسی

نظریہ ارتقار کی کوکھ سے کمیونزم و سوشلزم نکلے جس میں انسان کو صرف "حیوان آکل" قرار دیا گیا، فرد کی آزادی کا گلا گھونٹا گیا، جبر و استبداد کے تمام ذرائع استعمال کر کے اسٹیٹ کے نام پر، لینن و مارکس کی آبرو کی حفاظت کے لئے سب کچھ کرنے کی اجازت ہے۔ بخارا و سمرقند و تاشقند کی داستانِ پارینہ اب افغانستان جیسے اسلامی ملک میں دہرائی جارہی ہے۔ اسی نظریۂ ارتقار نے کمزور قوموں پر طاقتور قوموں کے تسلط کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا، جنوبی افریقہ اور اسرائیل کی نسل پرست حکومتوں کے پردہ میں یہی رُوح کارفرما ہے۔ طب جیسے خالص انسانی علم پر بھی یہی نظریہ سایہ فگن ہے اسی لئے انسان کو "جسد بلا روح" سمجھ کر ادویہ ایجاد کی گئیں جن کے ہولناک نتائج سرطان اور امراض قلب کی صورت میں رونما ہو رہے ہیں۔

قارئین شاید یہ بات دلچسپی سے سُنیں کہ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو جو غیر اسلامی سزا قرار دیا ہے وہ منکرین حدیث کے امام ضلال غلام احمد پرویز سے متاثر ہو کر فیصلہ دیا ہے، غلام احمد پرویز نظریۂ ارتقار کا سب سے بڑا داعی اور مُبلّغ ہے، غلام احمد پرویز رقم طراز ہے:

"یہ سوال کہ دنیا میں سب سے پہلا انسان کس طرح وجود میں آگیا ذہن انسانی کے لئے وجہ ہزار حیرت و استعجاب رہا ہے چنانچہ ان مذاہب میں جن میں قوم پرستی نے حقائق کی جگہ لے رکھی ہے اس عقدے کے حل میں عجیب و غریب افسانہ طرازیوں سے کام لیا گیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ ٹھیک ٹھیک وہی ہے جس کی طرف علم و بصیرت کے انکشافات راہ نمائی کئے جا رہے ہیں، سائنس کی رُو سے خاک کے ذرّے مختلف ارتقائی منازل طے کر کے قرنہا قرن کے بعد انسانی صورت میں متشکل ہو گئے یعنی سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورتِ انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی ان متنوع مراحل کی تفصیل قرآن کریم کی آیاتِ جلیلہ میں عجیب انداز میں سمٹی ہوئی ہے"[1]

اس لئے اس شخص نے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے

---

[1] ابلیس و آدم از پرویز صفحہ ۶۳ و ۶۴

وجود شخصی کا سرے سے انکار کیا ہے چنانچہ کہتا ہے :

" ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدم جس کے نکلنے کا قصہ قرآن کے مختلف مقامات میں آیا ہے نبی ہے قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا بالفاظ دیگر قصہ آدم کسی خاص فرد یا جوڑے کا قصہ نہیں ہے بلکہ خود آدمی کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی ہے "[1]

نظریۂ ارتقاء اور کمیونزم دونوں یہودی ذہن کے پیداوار ہیں اس لئے تقریباً لازم و ملزوم ہیں اس لئے اس شخص نے کمیونزم و سوشلزم کو ثابت کرنے کے لئے "نظام ربوبیت" کے نام اور عنوان سے اسلامی کمیونزم کی داغ بیل ڈالی جس کی ساری فکر، فکرِ مستعار ہے اور اس کے لئے اسے بہت سے بلکہ سب کے سب حقائق شرعیہ کا انکار کرنا پڑا۔ حدیث و سنت نبویہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ چونکہ قدم قدم پر اس نفاقِ اعتقاد و عمل سے روکتی تھی اس لئے عجمی سازش کہہ کر اُسے دریا بُرد کرنے کا (العیاذ باللہ تعالیٰ العظیم) مشورہ دیا گیا۔ دین کے بہت سے منصوص احکام مثلاً توریث، زکوٰۃ وغیرہ اس سے متصادم ہے اس لئے ایک نیا فلسفہ ایجاد کیا گیا یعنی اسلام مقدس و مطہر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک حصہ کو عارضی و عبوری کہا گیا دوسرے حصہ کو دائمی کہا گیا اس فلسفۂ حیات کے عجیب وغریب برگ و بار ہیں خود ان صاحب سے سننے کے لائق ہے، سُنئے اور سر دھنئے :

" اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دئے گئے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچانا ہے

---

[1] لغات القرآن از غلام احمد پرویز ج ۱ ص ۲۱۴

اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول و احکام متعین کرتا ہے عبوری دور کیلئے ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے، وراثت، قرضہ، لین دین صدقہ و خیرات سے متعلق احکام اسی عبوری دور سے متعلق ہیں جن میں سے معاشرہ گذر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے"[1]

"اس نظام کے قیام کے بعد کوئی مفلس اور محتاج باقی نہیں رہ سکتا لہذا مفلسوں اور محتاجوں کے متعلق اس قسم کے احکام صرف عبوری دور سے متعلق ہیں"[2]

اس کے نزدیک کمیونزم اور نظام ربوبیت میں صرف "جذبۂ محرکہ" کا فرق ہے یعنی کمیونزم میں جذبۂ محرکہ پرولتاری اور رجعت پسندانہ ذہنیت کا ردِ عمل ہوتا ہے جبکہ نظام ربوبیت میں جذبۂ محرکہ خدا و رسول کی ذات ہے۔ البتہ خدا و رسول کی تعبیر پرویز کے یہاں دلچسپ ہے کبھی ان دونوں سے مراد "مرکزِ ملت" لیتا ہے کبھی اس کے یہاں یہ افسانوی رنگ آمیزیاں ملتی ہیں:

"چونکہ خدا عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے اس لئے قوانین خداوندی کی اطاعت اور حقیقت انسان کی اپنی فطرت عالیہ کے نوامیس کی اطاعت ہے"[3]

پھر اس شخص کے یہاں جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے اسلام کے تقریبًا بہت سے حقائق کا انکار ہے ان کے نزدیک آخرت سے مراد مستقبل، جنت و جہنم سے مراد انسانی ذات کی کیفیات، ملائکہ سے مراد نفسیاتی محرکات، برگزیدہ فرشتہ جبریل سے مراد انکشاف حقیقت کی روشنی ہے۔ علاوہ ازیں یہ شخص جدید ترین فقہ کا بانی ہے اس کے یہاں وقف، شفعہ، ایصال ثواب، تلاوت قرآن پاک سب بے معنی چیزیں ہیں۔ ان صاحب کے نزدیک معاوضہ صرف محنت کا ہے سرمایہ کا نہیں[4] یہ ہے وہ اسلام

---

[1] نظام ربوبیت از پرویز تعارف ص ۲۵ [2] سلیم کے نام دوسرا خط ص ۲۴

[3] معارف القرآن ص ۴۲۰ ج ۴ [4] قرآنی فیصلے ص ۴۹ ج ۳

پرویزی فکر کی صدائے بازگشت سے ایک صاحب بھی متاثر ہیں وہ بھی قرآن کریم کے احکام منصوصہ کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں ایک حصہ ان کے نزدیک عبوری و عارضی ہے جبکہ دوسرا حصہ ان کے نزدیک دائمی و ابدی ہے

(باقی آئندہ صفحہ پر)

ضلال جس کی تقلید میں ہمارے جج صاحبان نے رجم کا انکار کیا ہے اور اس کو حدود کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رجم ایک ایسا اتفاقی مسئلہ ہے جس سے اسلامی شریعت میں خوارج کے علاوہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی طرح ہمارے محترم دوست کے یہاں معاوضہ صرف محنت کا ہے، سرمایہ کا نہیں ہے، اسی لئے مزارعت، مضاربت، بلکہ مکانات، دکانوں کا کرایہ بھی ناجائز ہے۔ پرویز صاحب سے تو کچھ کہنا سننا بے کار ہے کیونکہ وہ حدیث و فقہ کے تمام سرمایہ کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے قائل ہیں اور ان کی ساری فکر، فکرِ مستعار ہے، پرویز صاحب منکرین حدیث کی آخری کڑی ہیں، ہندوستان میں انکارِ حدیث کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں۔ سرسید، مولوی چراغ علی، عبداللہ چکڑالوی، حافظ اسلم مشہور منکرین حدیث ہیں پرویز صاحب نے ان سب سے فائدہ اٹھایا ان کے افکار و آراء سے اپنے "مسلک خاص" کی آبیاری کی، پھر اس پر کمیونزم و سوشلزم کی قلم لگا کر افسانوی زبان و رنگ آمیزیوں سے اسے اجاگر کیا یورپ کے بہت سے نظریات جو وہاں بھی اب فرسودہ ہو چکے ہیں ان کے یہاں بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں جس طرح سرسید نے اپنے زمانہ کے بعض یورپی نظریات سے مرعوب ہو کر بہت سے شرعی حقائق کا انکار کیا تھا لیکن جدید تحقیق نے ان نظریات کو باطل کر دیا۔ اسی طرح پرویز صاحب نے اپنے زمانہ کے بعض نظریات کو جوں کا توں قبول کر لیا اب نظریات بدل جانے سے بیچارے پریشان ہیں۔ پرویز صاحب کی کتاب "انسان نے کیا سوچا" ان کے فکر کی اساس ہے، لیکن ہمارے محترم دوست تو عالم ہیں، حدیث و فقہ سے شغف بھی رکھتے ہیں اصول فقہ بھی کسی قدر مطالعہ کر چکے ہیں۔ اُن سے گذارش ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت اس کے بعد خلفائے راشدین کے عہد خیر میں جب عبوری و عارضی احکام جاری رہے تو دائمی وابدی احکام کا دور کب آئے گا

کیا جب سُرخ سورج طلوع ہوگا، کیا برک کارمل اور برزنیف کے ناپاک مشن سے دین متین کی تکمیل ہوگی۔ ؟؟؟

اسی طرح معاوضہ محنت کا ہوتا ہے سرمایہ کا نہیں، اشتراکی نظریہ نہیں ؟ چلئے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ مزارعت میں اختلاف ہے اگرچہ اس کے بارے میں حنفی فقہاء کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، امام بخاری

(باقی آئندہ صفحہ پر)

کسی نے انکار نہیں کیا، امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ نے کبھی سرمُو اس سے انحراف نہیں کیا، تعامل و توارث نے اس کے حق ہونے اور اسلامی ہونے پر ہمیشہ مُہر تصدیق ثبت کی، اسلامی فرقوں میں سے شیعہ و معتزلہ نے بھی اس سے انکار نہیں کیا صرف خوارج نے اس سے انکار کیا۔
ابن رُشد القرطبی لکھتے ہیں:

فاما الثیب الاحرار المحصنون	آزاد شادی شدہ محصن کے متعلق سارے
فان المسلمین اجمعوا علیٰ	مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان کی سزا رجم

نے اپنی صحیح میں امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں جواز مزارعت پر صحابہ و تابعین کے عمل و توارث کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، البتہ مضاربت میں تو ائمہ کا اجماع و اتفاق ہے بلکہ حافظ ابن قیم نے "ھدیٰ" میں مضاربت کے جواز و مشروعیت پر بڑا طویل تبصرہ کیا ہے اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مضاربت کی، زمانہ بعثت سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا مال بطور مضاربت لیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ نبی معصوم اور منتخب، برگزیدہ ہوتا ہے اس سے بعثت سے قبل بھی کوئی ایسا کام نہیں کرایا جاتا جو آگے چل کر ناجائز ہونے والا ہو اس کے علاوہ اُس نے بعض کبار صحابہ کے نام شمار کرائے ہیں جو مضاربت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صحابہ و تابعین کا سرمایہ سے معاوضہ حاصل کرنا ثابت ہے۔ حدیث کی کتابوں میں استغلال العبیر کا تذکرہ آتا ہے۔ "الخراج بالضمان" والی حدیث کے ذیل میں جامع ترمذی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام خریدا، غلام مشتری کے ضمان میں آگیا مشتری نے اس سے کرایہ حاصل کیا، بعد میں مُشتری عیب پر مطلع ہوا اور غلام بائع کو واپس کر دیا البتہ حاصل شدہ کرایہ واپس نہیں کرے گا کیونکہ یہ اس نے اس زمانہ میں حاصل کیا جب وہ مشتری کی ضمان میں تھا اور یہ ہی تفسیر ہے حدیث رسول الخراج بالضمان کی۔
اس کے علاوہ صحیح بخاری میں حضرت ابن کے متعلق مذکور ہے، ان کے پاس تین غلام تھے جن میں سے دو سے وہ کرایہ وصول کرتے تھے اور ایک ان کی اور ان کے گھر والوں کی خدمت کرتا تھا پھر۔
موطا امام مالک اور مدونۃ الکبریٰ میں باب استغلال الاراضی والدور والحوانیت کے مستقل ابواب ملتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ بے معنیٰ ہے یا عارضی دور کے متعلق ہے۔ ؟؟

ان حدّهم الرجم الا فرقة من اهل الاهواء فانهم رأوا ان حدّ كل زانٍ الجلد وانما صار الجمهور للرجم لثبوت احاديث الرجم فخصصوا الكتاب بالسنة اعنى قوله تعالى اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي الآية[1]

ہے سوائے خواہشات کے بندے ایک قلیل جماعت کے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ ہر زانی کی سزا کوڑے لگانا ہے جمہور نے رجم کو اس لئے اختیار کیا کیونکہ رجم کی احادیث ثبوت کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں ان حضرات نے کتاب یعنی آیت کریمہ الزانیۃ والزانی کی حدیث سے تخصیص کرلی ۔"

اور شیخ کمال ابن الہمام فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

عليه اجماع الصحابة ومن تقدم من علماء المسلمين وانكار الخوارج الرجم باطل لانهم انكروا حجية اجماع الصحابة فجهل مركب بالدليل بل هو اجماع قطعي وان انكروا وقوعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لانكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لان ثبوت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم متواتر

" رجم پر صحابہ کرامؓ اور علماء کا اجماع ہے، خوارج کا رجم کا انکار باطل ہے کیونکہ اگر وہ اجماع صحابہ کی حجیت کا انکار کریں تو وہ ایک دلیل قطعی کے ساتھ جہل مرکب ہے کیونکہ صحابہ کا اجماع ' اجماع قطعی ہے اور اگر وہ اس بات کا انکار کریں کہ رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیونکہ وہ خبر واحد کی حجیت کا انکار کرتے ہیں تو ان کی یہ بات دلیل سے باطل ہو چکنے کے بعد خبر واحد سے نہیں کیونکہ رجم کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بدایۃ المجتہد ص۴۲۵ ج ۲

المعنی کشجاعۃ علیؓ وجود حاتم	سے علیؓ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت
والآحاد فی تفاصیل صورہ و	کی طرح متواتر ہے رجم کی تفاصیل
خصوصیاتہ اما اصل الرجم	اور جزئیات خبر واحد سے ثابت ہیں
فلا شک فیہ[1]	البتہ نفس رجم میں کوئی شبہ نہیں ۔

شیخ ابن الہمام نے اس مختصر سی عبارت میں چند اہم نکات اٹھائے ہیں : (الف) رجم پر صحابہ و تابعین اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کے علماء اور فقہاء کا اجماع و اتفاق (ب) رجم پر تواتر (ج) جو لوگ اس کے منکر ہیں وہ گویا اجماع اور تواتر کے منکر ہیں ۔ (د) رجم کی تفاصیل اور جزئیات کے بارے میں اخبار آحاد ہیں اصل رجم پر تواتر معنوی ہے ۔

علامہ آلوسی بغدادی اپنی بے نظیر تفسیر روح المعانی میں رقم فرماتے ہیں :-

"صحابہ کرام ، تابعین ، ائمہ عظام ، علماء امت سب کا اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا تا آنکہ وہ مر جائے ، خوارج کا انکار باطل ہے کیونکہ اگر وہ صحابہ کے اجماع کا انکار کریں تو وہ یقیناً جہل مرکب ہے ، اور اگر وہ رجم کا انکار اس بناء پر کرتے ہیں کیونکہ وہ خبر واحد کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ رجم کا ثبوت تواتر معنوی سے ثابت ہے اور یہ لوگ بھی تواتر معنوی کو تواتر لفظی کی طرح حجت سمجھتے ہیں جس طرح کہ عام مسلمان سمجھتے ہیں لیکن صحابہ کرام سے ان کے انحراف اور علماء و راویان حدیث کے پاس ان کے کم آنے جانے نے ان کو بہت سی گمراہیوں میں ڈال دیا اسی لئے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ان لوگوں نے جب یہ کہا کہ رجم کتاب اللہ میں نہیں ہے تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کی مقدار بھی تو قرآن کریم میں نہیں ہے خوارج نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور مسلمانوں کے توارث سے ثابت ہے خلیفہ راشد نے فرمایا کہ رجم بھی اسی طرح ہے ۔"[2]

---

[1] فتح القدیر ج ۵ ص ۱۳

[2] آلوسی بغدادی روح المعانی ج ۱۰ ص ۸۹

خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کا خوارج سے جو مکالمہ ہوا ہے وہ بہت دلچسپ ہے اور ہمارے زمانہ کے خوارج، جو رجم کا انکار کرتے ہیں، کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے ۔ ابن قدامہ نے المغنی میں اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے :

خوارج کے نمائندے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور خلیفہ راشد کے خلاف انہوں نے جو چارج شیٹ پیش کی اس میں رجم کا مسئلہ بھی تھا وہ یوں گویا ہوئے :

خوارج : قرآن کریم میں صرف جلد ہے ، رجم نہیں ہے اسی طرح تم عورتوں کے لئے معذوری کے زمانہ کی نماز کی قضاء کے قائل نہیں ہو ، روزے کی قضاء کے قائل ہو حالانکہ نماز روزہ سے زیادہ مؤکد ہے ۔

عمر بن عبدالعزیز : کیا تم صرف قرآن کریم پر عمل کرتے ہو ۔

خوارج : ہاں

عمر بن عبدالعزیز : قرآن کریم میں فرض نمازوں کی تعداد ، نماز کے ارکان کی تعداد ، نماز کے اوقات کہاں ہیں اسی طرح یہ کہ فلاں نماز میں اتنی رکعتیں ہیں فلاں میں اتنی قرآن کریم میں کہاں ہے ، زکوٰۃ کس مال میں واجب ہوتی ہے اور کس میں نہیں ، زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے ؟ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے ۔ یہ سب قرآن کریم میں کہاں ہے ۔

خوارج : ہمیں کچھ مہلت دیجئے ۔

خلیفہ راشد نے مہلت دے دی ایک روز کے مشورے کے بعد حاضر ہوئے

خوارج : قرآن کریم میں تو یہ سب کچھ نہیں ہے ۔

عمر بن عبدالعزیز : پھر تم ان کے کیسے قائل ہوئے ۔

خوارج : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ان پر عمل کیا ۔

عمر بن عبدالعزیز : رجم پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور آپ کے

بعد خلفاء نے اس پر عمل کیا۔ معذوری کے زمانہ کے روزوں کے بارے میں بھی آپؐ نے قضاء کا حکم دیا، ازواج مطہرات نے اور آپ کے صحابہ کرام کی بیویوں نے روزے قضاء کئے[1]

اصل یہ ہے کہ رجم کے سلسلہ میں حسب ذیل نکات نہایت اہم ہیں:

(الف) تواتر و توارث

(ب) اجماع صحابہ

(ج) اُمت محمدیہ کا اتفاق اور ہر دور میں شادی شدہ زانی پر رجم کا اطلاق۔

یہ امور نہایت ہی قوی بلکہ قوی ترین، یہی وجہ ہے کہ خوارج کی رجم کے انکار کی وجہ سے تکفیر کی گئی۔

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری اپنی بے نظیر کتاب "اکفار الملحدین" میں علامہ خفاجی کی "شرح الشفاء" سے نقل کرتے ہیں:

کتکفیر الخوارج بابطال الرجم	"رجم چونکہ متفق علیہ ہے لہٰذا ضروریات
للزانی والزانیۃ المحصنین	دین میں داخل ہے اسی لئے شادی شدہ
فانہ مجمع علیہ، مما	مرد و عورت زانی کی سزا رجم کے انکار
معلوماً من الدین بالضرورۃ[2]	کی وجہ سے خوارج کی تکفیر کی جاتی ہے۔"

وفاقی شرعی عدالت کے جج صاحبان صرف منکرین حدیث، قادیانیوں اور خوارج کی طرف سے جج نہیں بنائے گئے ہیں۔ بلکہ اسلامیان پاکستان کے جج ہیں اور پاکستانی دستور کا ان حضرات نے حلف اٹھایا ہے جس میں کتاب وسنّت کے مطابق فیصلے کرنے کی ضمانت دی گئی ہے، اور اسلامیان پاکستان قرآن وسنّت دونوں کو اپنے قانون کا ماخذ سمجھتے ہیں۔ کیا ان حضرات کو معلوم نہیں کہ سنت متواترہ کسے کہتے ہیں اور سنت متواترہ کے انکار اور اُس میں تاویل کی کیا سزا ہے، اگر ان کو نہیں معلوم تو ہم بتلائے دیتے ہیں۔

امام غزالی کی "فیصل التفرقہ" سے مولانا انور شاہ نقل کرتے ہیں:

---

[1] ابن قدامہ، المغنی ج ۸ ص ۱۵۸ کتاب الحدود [2] محمد انور شاہ، اکفار الملحدین ص ۵۸

ولابد من التنبیہ علی قاعدۃ	" ایک قاعدہ پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ
اُخریٰ ، وھو ان المخالف قد	مخالف کبھی نص متواتر کا انکار کرتا ہے اور
یخالف نصاً متواتراً ویزعم انہ	اس میں ایسی تاویل کرتا ہے جو قریب یا دور
مؤوِّل ولکن ذکر تاویلاً لاانقداح	سے اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تو ایسے کفر
لہ اصلاً فی اللسان لاعلیٰ بُعدٍ	کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو نص متواتر
لاقریب فلذلک کفر وصاحبہ	کا تکذیب کرنے والا سمجھا جائے گا اگرچہ
مکذب وان کان یزعم انہ مؤوِّل[1]	وہ خود کو تاویل کرنے والا سمجھے "

اب ہم مذکورہ نکات میں سے ایک ایک نکتہ کو حسب ترتیب سابق لیتے ہیں، تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے

(الف) تواتر و توارث جیسا کہ آپ علامہ ابن الہمام اور علامہ آلوسی بغدادی کے کلام میں پڑھ چکے ہیں کہ رجم کے بارے میں تواتر معنوی ہے، یعنی نفس رجم پر اس قدر کثیر روایات ہیں اور اتنے راویان حدیث اس کو بیان کرنے والے ہیں کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے تاہم رجم کی شرائط و کیفیات خبر واحد سے ثابت ہیں اسکی تواتر معنوی کہا جاتا ہے تواتر معنوی کا امت کے کسی گروہ یا فرد نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ سب اس کو حجت اور دلیل تسلیم کرتے ہیں ابھی آپ خوارج اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کا مکالمہ پڑھ چکے ہیں اس کے بین السطور سے واضح ہے کہ تواتر معنوی کا ان سے بھی انکار نہ ہو سکا اور بادلِ ناخواستہ اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور اپنی زبانوں پر مہر سکوت ثبت کر لی۔

اصل یہ ہے کہ حکمت الٰہی سے احکام اسلام میں تدریج و ترتیب نمایاں رہی یعنی سب کے سب احکام یکدم نہیں اتر گئے بلکہ واقعات کے مطابق احکام خداوندی نازل ہوتے رہے۔ یہ تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ بدکاری سے زیادہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ نسب کا اختلاط ، معاشرہ کی نجاست بداخلاقی کی انتہا، خاندانوں کی بے عزتی ،حیوانیت پھر جبکہ شادی شدہ اس فعل کا ارتکاب کریں۔ غرض بدترین حرکت ہے اس لئے ناممکن تھا کہ اسلام جیسا مکمل و کامل دین اس کی سزا سے خالی

---

[1] محمد انور شاہ، اکفار الملحدین ص۵۸

ہو اس لئے اس کی سزا مع دوسرے شرائط و قیود بیان کی گئی لیکن اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ جیسا کہ اسلامی احکام کا خاصہ ہے۔ ہجرت نبوی کے بعد سب سے پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہودیوں کی بستی میں ایک مرد و عورت نے شادی شدہ ہونے کے باوجود اس فعل بد کا ارتکاب کر لیا، یہود تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کی فکر میں رہتے تھے، حضور کی خدمت میں آپہنچے اور جھٹ سے سوال کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ بتلا یا گیا کہ تورات میں اس سلسلہ میں رجم مذکور ہے لیکن یہود نے اس سزا کو تبدیل کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور حدیث کی صحیح و معتبر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ	"اور یہ لوگ آپ کو کس طرح منصف
التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ	بنائیں گے جبکہ ان کے پاس توریت ہے
ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ	جس میں اللہ کا حکم (رجم) موجود ہے
وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۔	پھر اس کے بعد منہ موڑتے ہیں اور وہ
	ہرگز ماننے والے نہیں "

اس آیت کے ذیل میں بغوی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کے ایک یہودی مرد و عورت نے جو کنوارے نہ تھے زنا کیا۔ باوجودیکہ توریت میں اس جرم کی سزا رجم تھی مگر ان دونوں کی بڑائی مانع تھی کہ یہ سزا جاری کی جائے۔ آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ شخص جو یثرب میں ہے ان کی کتاب میں زانی کے لئے رجم کا حکم نہیں ہے (کیونکہ اس وقت تک شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ میں زنا کا حکم اترا ہی نہیں تھا جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا) اس لئے ان کو حَکم مقرر کر لینا چاہئے آپ کو وحی کے ذریعہ سب کچھ بتلا دیا گیا اس لئے آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلہ پر رضامند ہوگے انہوں نے اقرار کیا، آپ نے رجم کا حکم بتلایا، وہ لوگ اس سے پھر گئے۔ آخر حضور نے فرمایا کہ فدک کا رہنے والا ابن صوریا تم میں کیسا شخص ہے سب نے کہا کہ آج روئے زمین پر شرائع موسویہ کا اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ آپ نے اس کو بلوایا اور نہایت شدید حلف دے کر پوچھا کہ توریت میں اس گناہ کی سزا کیا ہے باوجودیکہ دوسرے یہود اس حکم کو چھپانے کی کوشش

کر رہے تھے جس کا پردہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ذریعہ سے فاش ہو چکا تھا تاہم ابن صوریا نے جو ان کا مسلّم و معتمد تھا کسی نہ کسی وجہ سے اس کا اقرار کر لیا کہ بیشک توریت میں اس جرم کی سزا رجم ہی ہے بعدہٗ اس نے سب حقیقت ظاہر کی کہ کس طرح یہود نے رجم کو حذف کر کے یہ سزا رکھ دی کہ زانی کو کوڑے لگائے جائیں اور کالا منہ کر کے اور گدھے پر الٹا سوار کر کے گشت کرایا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر توریت کے حکم کے مطابق رجم کی سزا جاری فرمائی۔ یہ واقعہ کب کا ہے اس کے متعلق مولانا انور شاہ، قسطلانی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ۴ھ ہجری کا ہے[1]، اس کے بعد سورۂ نساء کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ	" اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری
نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ	عورتوں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مردانوں
أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا	سے پھر اگر وہ گواہی دیں تو بند رکھو اُن
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى	عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا
يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ	لیوے اُن کو موت یا مقرر کر دے اللہ
اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا وَاللَّذَانِ	ان کے لئے کوئی سبیل ....
يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا	
فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا	
عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا	
رَحِيمًا ۔	

اس سے پہلی آیت جو ہم نے نقل کی اُس میں "حکم اللہ" سے مراد اور اس آیت کریمہ میں "سبیل" سے مراد رجم ہی ہے جو لوگ قرآن کریم میں "رجم" کا انکار کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑی حقیقت کا انکار کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی مجملات کے بیان کرنے والے ہیں۔ آپ کا منصب ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ لتبین للناس ما نزل الیھم یعنی قرآنی مجملات کی تبیین و تعیین۔ اور ایک عام عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ بیان، مبین سے علیحدہ ہوتا ہے۔

---

[1] انور شاہ: العرف الشذی باب رجم المحصن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبیل" کی تشریح فرمائی کہ اس سے مراد شادی شدہ زانی کیلئے رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے جلد ہے جیساکہ صحیح ترین احادیث میں وارد ہے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ شادی شدہ زانی کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے جلد کی سزا قرآن کریم میں نازل ہوئی۔ جلد کی سزا سورۂ نور میں نازل ہوئی۔ سورۂ نور کا زمانۂ نزول ۵ھ ہجری کے بعد کا ہے اس کے لئے قرینۂ واضحہ موجود ہے کہ واقعہ افک محدثین و مؤرخین کے قول صحیح کے مطابق "غزوۂ مریسیع" میں پیش آیا تھا اور یہ غزوہ ۵ھ یا اس کے بعد کا ہے۔

علامہ نوویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب الاسماء واللغات[1] میں حضرت عائشہ صدیقہ کی والدہ ماجدہ اُم رُومان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اُم رُومان کی وفات غزوۂ مریسیع کے بعد ہوئی وہ واقعہ افک میں موجود تھیں اس کے متعلق حدیث و سیرت کی ناقابل تردید شہادتیں موجود ہیں امام موصوف نے غزوہ مریسیع کو ۵ھ ہجری یا اس کے بعد تحریر فرمایا ہے غرض جلد اور رجم کی سزائیں وحی متلو سے نازل ہوئیں۔ جلد کی سزا قرآن کریم میں تلاوت و عمل دونوں اعتبار سے باقی رکھی گئی اور رجم کی سزا تلاوت کے اعتبار سے اٹھالی گئی تاہم تواتر معنوی اور عمل کے اعتبار سے باقی رکھی گئی، رجم کی سزا تلاوت کے اعتبار سے کیوں اٹھائی گئی اور اس کی حکمت کیا تھی، شریعت مطہرہ کے حکم اور مصالح سے ناآشنا لوگ اور رکوری عقل کے پرستار اس کو کیا سمجھ سکتے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ جو اس فن کے شناور اور اس بحر بے کنار کے غواص ہیں، ان سے پوچھئے، موصوف فرماتے ہیں:

"اس قدر سننا چاہیئے کہ بعض وقت ہول و خوف مضمون اس وحی کا مقتضی ہوتا ہے کہ بار بار کان اس کو نہ سنے جیسے کہ اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا یعنی شادی شدہ مرد اور عورت جس وقت زنا کریں پس سنگسار کرو تم ان کو کہ اس میں بیان سخت تر عذاب کا ہے[2]"

حضرت شاہ صاحب نے ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے حضرت کے فرمان کا

---

[1] الاسماء واللغات جلد ۳ [2] تفسیر عزیزی اردو ترجمہ ص ۶۸۳

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک مرد وعورت جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل وخرد ہوش وحواس کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہو پھر اس کے ساتھ اسلام وایمان کی نعمت بے بدل عطا کی ہو بایں ہمہ وہ دونوں لذتِ ازدواج چشیدہ اور اس سے آشنا ہوں پھر وہ حرکت قبیحہ کا ارتکاب کریں یہ امر عقلاً مستبعد اور بعید از قیاس ہے کیونکہ ان پر ظاہری اور باطنی نعمتیں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں اسی لئے ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس کو سزا بھی اس قدر شدید دی گئی جس کا تصور بھی رُوح فرسا اور کربناک ہے یعنی اس کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے۔ ایسا شخص جو ان نعمتوں سے سرفراز ہو اور یہ اس کمینی حرکت کا ارتکاب کرے اور اس پر اس قدر سخت سزا، اس کا تذکرہ اُس کتاب عظیم میں جس کا پہلا مقصد تلاوت اور بار بار کی تلاوت ہے، مناسب نہیں، اس لئے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ اس کو تلاوت سے تو حذف کر دیا جائے البتہ اس جرم کبیرہ پر سزا کو برقرار رکھا جائے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ جلد اترنے کے بعد چار موقعوں پر رجم کا حکم صادر کرنے کے بعد اس حکم کی تاکید اور توثیق فرمادی ان چار واقعات کی تفصیل کتب حدیث میں اسانید صحاح کے ساتھ موجود ہے منکرین رجم کا یہ بیان کہ رجم کے واقعات آیتِ جلد کے نازل ہونے سے قبل کے ہیں مبنی بر حقیقت نہیں ہے بلکہ کذب اور افترا کا مجموعہ ہے۔ یہ لوگ تاریخ سے کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے بلکہ تاریخ اور حدیث کی شہادت ان کے خلاف ہے۔ علامہ حازمیؒ جو ناسخ و منسوخ کے اور حدیث و تاریخ کے امام ہیں رقم فرما ہیں:

وقد روی حدیث ماعز نفر	"ماعز اسلمی کی حدیث کو سہل بن سعد
من احداث الصحابة نحو سهل	عبداللہ بن عباس اور دوسرے نوعمر
بن سعد وابن عباس وغيرهما	صحابہ نے بیان کیا اسی طرح ایسے حضرات
ورواه ايضاً نفر تأخر اسلامهم [۱]	نے جن کا اسلام موخر ہے"

ماعز اسلمی کے واقعہ رجم کو بیان کرنے والے صحابہ کرام سہل بن سعد، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، ہیں جبکہ اول الذکر دونوں صحابہ نوعمر صحابہ ہیں اور ثانی الذکر متاخر الاسلام صحابی ہیں

[۱] الاعتبار للحازمی ص ۲۰۳

یعنی ان کا اسلام سنہ ہجری میں ثابت ہے اس لئے یہ واقعہ تقریباً سنہ ہجری یا اس کے بعد کا ہے۔ اسی طرح امرأۃ جہینہ یا غامدیہ کا واقعہ بھی سنہ ھ سے پہلے یا سنہ ھ کے آخر کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس واقعہ کی تفصیلات میں یہ جزء بھی ملتا ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کے جب ایک پتھر مارا تو ان کی پیشانی سے خون کا فوارہ بہہ نکلا، اس پر حضرت خالد نے ان کو بُرا بھلا کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو سختی سے منع کیا اور اس خاتون کی جرأت ایمانی اور اس قدر سخت سزا کے لئے خود کو پیش کرنے کی تعریف و توصیف فرمائی اور اس کی نجات کی بشارت دی، ابوداؤد میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور حضرت خالد بن الولید سنہ ۶ھ کے بعد اسلام لائے ہیں، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت خالد کفار کے کیمپ میں موجود تھے اور مسلمانوں کو مکّہ سے روکنے کے لئے سواروں کا ایک دستہ لیکر آئے تھے (بخاری کتاب الشروط)

منکرین رجم اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ حدیث یہ ہے:

عن الشیبانی قال سالت عبداللہ بن ابی اوفیٰ عن الرجم قال رجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت أقبل النور ام بعدہ قال لا ادری [1]	"شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے رجم کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا میں نے پوچھا سورۂ نور سے پہلے یا بعد میں موصوف نے فرمایا مجھے نہیں معلوم"

اس روایت سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ رجم کے واقعات آیتِ جلد کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ پہلی بات تو حدیث مذکور میں یہ ہے کہ اس روایت میں صحابی نے جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہیں فرمایا اور قرائن واضحہ گذشتہ سطور میں بیان کئے جاچکے ہیں جس سے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ رجم کے واقعات سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد کے ہیں، لاعلمی کے مقابلہ میں علم زیادہ راجح

[1] بخاری ص ۱۰۱۱ ج ۲ کتاب المحاربین والمرتدین

ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں رجم کے مذکورہ بالا چار واقعات کے بارے میں نہیں پوچھا جا رہا ہے بلکہ یہودی اور یہودیہ کے رجم کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے کہ یہ واقعہ سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے پیش آیا یا اس کے بعد تو اس کے جواب میں صحابی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت کو امام بخاریؒ اہل کتاب کے رجم میں لائے ہیں چنانچہ امام موصوف نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے باب احکام اهل الذمة واحصانهم اذا زنوا ورفعوا الى الامام دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں " قبل النور " کے بجائے قبل المائدۃ کے الفاظ آئے ہیں، مسند احمد بن منیع میں یہ لفظ ہیں فقلتُ بعد سورة المائدة او قبلها[1] مطلب یہ تھا کہ سورۂ مائدہ میں یہ آیت موجود ہے وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ آیت کریمہ کی موجودگی میں کس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت حَکَم اُن کو رجم کرنے کا حکم دیا گویا سائل نے آپؐ کی تحکیم کو مستبعد جانا تو صحابی نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، تیسرا امر یہ کہ حضرت عبداللہ، یہود کے اس واقعہ پر موجود نہیں تھے اور نہ اسلام لائے تھے وہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اسلام لائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار و مغازی میں سب سے پہلے حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وشهد عبد الله الحديبية	"حضرت عبداللہ صلح حدیبیہ کے موقعہ
وروى احاديث شهيرة ثم	پر موجود تھے انہوں نے مشہور احادیث
نزل الكوفة سنة ست او	روایت کیں پھر ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں
سبع وثمانين وجزم ابونعيم	کوفہ میں قیام پذیر ہوئے ابونعیم نے
فيما رواه البخاري عنه سنة	۸۸ھ پر جزم کیا ہے صحابہ میں کوفہ میں
سبع وكان آخر من مات	سب سے آخر میں وفات پائی"
بها من الصحابة[2]	

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے لاعلمی ظاہر کرنے کی وجہ واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ وہ یہود کے

---

[1] عمدۃ القاری بحوالہ حاشیہ بخاری ص ۱۰۱۱ ج ۲ [2] الاصابۃ ص ۲۷۱ ج ۳

اس واقعہ کے وقت اسلام ہی نہیں لائے تھے۔ علاوہ ازیں منکرین رجم ایک محتمل روایت سے تو استدلال کرتے ہیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صریح ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتی ہے، صحیح بخاری میں ہے:

ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ آیۃ الرجم فقرأناها وعقلناها ووعیناها رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشیٰ ان طال بالناس زمان ان یقول قائل واللہ ما نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلها اللہ تعالیٰ والرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنیٰ اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحبل او الاعتراف [1]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیکر مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل کی رجم کی آیت بھی اتاری ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا اور یاد رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے کہ ہم آیت رجم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے تو یہ لوگ اللہ کے ایک فریضہ نازل شدہ کے چھوڑنے سے گمراہ ہو جائیں گے رجم، اللہ کی کتاب میں حق ہے زانی پر جبکہ وہ محصن ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت جبکہ ثبوت موجود ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو"

حضرت فاروق اعظم کی ایک طویل تقریر کا ایک ٹکڑا ہے جو موصوف نے اپنی خلافت کے آخری حج سے واپسی پر دیا جس میں تمام صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ دوسری ناقابل تردید سیرت و

[1] صحیح بخاری ۱۰۰۹ ج ۲

حدیث کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطبہ میں عہد فاروقی کے فوجی کمانڈر اور اہم شخصیتیں موجود تھیں اور اس خطبہ کے چند ہی دن کے بعد فاروق اعظم اپنے رب سے جا ملے، منکرین رجم اس موقعہ پر بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ دیکھو یہ مولوی لوگ فاروق اعظم پر کتنا بڑا الزام لگاتے ہیں کہ آیت رجم قرآن میں موجود ہے حالانکہ حضرت فاروق اعظم کا مقصد یہ تھا کہ آیت رجم قرآن میں نازل ہوتی تھی لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم باقی رہ گیا حضرت کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ وہ آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ بلیغہ یہ الفاظ "رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ" تسلسل رجم کو بیان کر رہا ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی رجم جاری رہا، رجم کی سزا میں کبھی بھی انقطاع نہیں ہوا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی رجم جاری رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی رجم کے واقعات ملتے ہیں، ہمدانی خاتون شراحہ کا واقعہ سیرت و حدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے، راقم کے سامنے اس وقت حدیث کی معتبر کتاب مصنف عبدالرزاق موجود ہے اس کے ص ۳۲۶ ج ۷ پر یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں دوسرے واقعات بھی ملتے ہیں مثلاً ایک واقعہ:

ان امرأة جاءت الی علی فقالت	ایک عورت حضرت علیؓ کی خدمت میں آئی اور
ان زوجھا وقع علی جاریتھا	شکایت کی کہ اس کے شوہر نے اس کی لونڈی کے
فقال ان تکونی صادقة نرجمه[1]	ساتھ بدکاری کی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر تو
٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭	سچی ہے تو ہم اسے رجم کریں گے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے دوسرے واقعات کہ شادی شدہ کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ کے لئے جلد متعدد روایات سے ثابت ہے تفصیل کے لئے دیکھئے مصنف عبدالرزاق از ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶۔

پھر تابعین، تبع تابعین کے زمانہ بھی یہی تسلسل جاری رہا، ابن شہاب زہری مشہور تابعی

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۰۰

ہیں اُن کا فتویٰ محدث عبدالرزاق نے نقل کیا ہے:

فحد المحصن الرجم اذا کان حرًا[1] "شادی شدہ کی حد رجم ہے اگر وہ آزاد ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ رجم پر امت کا اجماع واتفاق ہے اور خوارج کے علاوہ کسی متنفس نے کسی دور میں اس سے اختلاف نہیں کیا۔ حافظ ابو محمد بن حزم نے "مراتب اجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان اجماعیات کو ذکر کیا ہے جن کے انکار سے کفر لازم آتا ہے رجم کو امام موصوف نے ان ہی اجماعیات میں داخل کیا ہے، فرماتے ہیں:

اتفقوا انہ اذا زنی کما ذکرنا	"تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر
وکان قد تزوج قبل ذلک	کوئی شخص بدکاری کا ارتکاب کرے
وھو بالغ مسلم حرٌ عاقل	اسی طریقہ سے جس کو ہم نے بیان کیا ہے
حرۃً مسلمۃً بالغۃً نکاحاً	اور اس سے قبل وہ نکاح کر چکا ہو اور
صحیحاً وطئھا	وہ بالغ مسلمان آزاد ہو کسی آزاد مسلم
ان علیہ الرجم[2]	بالغہ عورت سے نکاح صحیح اور اس سے
	ہمبستری بھی کر لی تو اس پر رجم ہے۔

---

[1] ص ۳۰۶ ج ۷ [2] مراتب الاجماع

محمد یوسف لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد:

سزائے رجم قرآن کریم میں

شرعی مسائل کا ثبوت یا تو کتاب اللہ سے ہوتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت طیّبہ سے۔ یا اجماع امّت سے۔ اگر کوئی مسئلہ ان تین دلائل سے صراحتہً ثابت نہ ہو اس میں فقہائے امت اور ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد و استنباط کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مسئلہ رجم کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی، اور صحابۂ کرامؓ کے اجماع و اتفاق سے بھی۔

الف: سورۂ النساء کی آیت ۱۵ میں حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:۔

وَالّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ج	"اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔
فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا ۔	پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں۔ یہاں تک کہ اٹھا لیوے ان کو موت، یا مقرر کردے اللہ ان کے لئے کوئی راہ۔"

اس آیت میں ان عورتوں کے بارے میں جو زنا کی مرتکب ہوں۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کے

مجرم پر چار مسلمان مردوں کی شہادت قائم کی جائے۔ اور شہادت سے ان کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو گھروں میں بند رکھا جائے تاآنکہ ان کے بارے میں خدا تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو جائے۔

ایسی عورتوں کے لئے "کوئی راہ" مقرر کرنے کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ذریعہ یہ فرمائی ہے کہ زنا کا مرتکب شادی شدہ (محصن) ہو تو اس کو رجم (سنگسار) کیا جائے۔ اور غیر شادی شدہ (غیر محصن) ہو تو اس کے سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نزل علیہ الوحی کرب لذلک وتربد لہ وجھہ۔ قال فانزل علیہ ذات یوم فلقی کذلک۔ فلما سری عنہ، قال خذوا عنی۔ قد جعل اللہ لھن سبیلاً۔ الثیب بالثیب والبکر بالبکر۔ الثیب جلد مائۃ ثم رجم بالحجارۃ۔ والبکر جلد مائۃ۔ ثم نفی سنۃ (ص۶۵/۲)	"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس کی وجہ سے آپ پر بے چینی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اور چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ پر یہی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر جب نزول وحی کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: "مجھ سے لے لو۔ مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے راہ مقرر کر دی ہے، شادی شدہ مرد و عورت

اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے لگانا پھر سنگسار کرنا۔ اور کنوارے مرد و عورت اس کے مرتکب ہوں تو سو کوڑے۔ اور پھر ایک سال کی جلاوطنی۔"

یہ تھی وہ "سبیل" جس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا۔ یعنی زنا کے مرتکب کو ـــــ جب کہ وہ شادی شدہ ہو ـــــ سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ

کو سو کوڑے لگانا۔ اور اس "سبیل" کی تشریح و توضیح بھی کسی انسانی عقل نے نہیں کی۔ بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود بذریعہ وحی حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۶۵۷ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔

قرآن کریم میں الصلوٰۃ (نماز) کا بار بار حکم دیا گیا ہے لیکن اس "الصلوٰۃ" سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح و وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قولاً و عملاً فرمائی۔ اسی طرح جگہ جگہ " ایتاء زکوٰۃ " کا حکم دیا گیا ہے لیکن " زکوٰۃ " کے مفہوم کی کوئی تشریح قرآن کریم میں نہیں کی گئی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی۔ اس کے باوجود ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی جو تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ قرآن ہی سے ثابت ہے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نماز اور زکوٰۃ کا قرآن کریم نے حکم نہیں دیا وہ خارج از ملّت ہے اسی طرح قرآن کریم میں زانی محصن کی سزائے رجم بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے " اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَهُنَّ سَبِیْلًا " کے مجمل الفاظ میں ذکر فرمائی۔ اور پھر اس کی تشریح خود اللہ تعالیٰ کے اعلام و اطلاع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رجم کی سزا قرآن کریم نے ذکر نہیں فرمائی وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر سمجھتا ہے۔

سوچنا چاہیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک قرآنی حکم کی تشریح فرما رہے ہیں۔ اور وہ تشریح بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی اطلاع اور وحی کے ذریعہ کی جا رہی ہے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرما رہے ہیں۔ اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین اور چودہ سو سالہ امت اس تشریح وحی پر اپنے یقین و ایمان اور عمل کی بنیادیں استوار کرتی ہے تو کیا کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ یہ سزا قرآن کریم میں مذکور نہیں؟ دراصل بعض لوگ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے وقت یہ فرض کر لیتے ہیں کہ قرآن کہیں خلا میں پرواز کرتا ہوا سیدھا ان کے گھر

میں اترا ہے۔ اور قرآن کے مطالعہ کی سعادت شاید پہلی بار ان کے حصے میں آئی ہے۔ اس کے پیچھے نہ مصدر وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات ہیں۔ اور نہ چودہ سو سالہ امت کا تعامل اس کی پشت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے وہ مسائل جو کل تک " دو دونی چار " کی طرح قطعی و یقینی اور دوٹوک سمجھے جاتے تھے۔ قرآن کے یہ " خلانورد " آج ایسے مسائل میں بھی شک و ارتیاب کے کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جہل مرکب لائق صد رحم ہے جو قرآن کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہونے اور ناظرہ قرآن نہ پڑھ سکنے کے باوجود اپنے سوا چودہ سو سال کی پوری امت کو جاہل اور احمق فرض کر لیتے ہیں۔

ب : سورہ المائدہ کی آیات ۴۱ تا ۵۰ یہود کے قصۂ رجم سے متعلق نازل ہوئیں جیسا کہ صحیح مسلم صفحہ ۷۰ ج ۲ میں مذکور ہے۔

امام بغوی نے اس قصہ کا خلاصہ یہ نقل کیا ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں ایک شادی شدہ جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ جس کے لئے شریعتِ تورات میں رجم کی سزا مقرر کی تھی۔ مگر یہودیوں نے خواہش نفس کی پیروی میں اس پر عمل درآمد معطل کر رکھا تھا۔ جب ان کے یہاں یہ واقعہ پیش آیا تو اس خیال سے کہ اسلامی شریعت، شریعت تورات سے نرم ہے۔ انہوں نے یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا۔ چنانچہ ایک وفد ان مجرموں کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جسے یہود نے بطور خاص یہ ہدایت کی تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مطلب کے موافق فیصلہ کریں تو قبول کر لینا۔ ورنہ نہیں۔ وفد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کا ارتکاب کریں تو ان کی کیا سزا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا فیصلہ مانو گے؟ انہوں نے اقرار کیا۔ اس وقت جبریل امین اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لیکر نازل ہوئے کہ ان کی سزا رجم ہے، ان لوگوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو بوکھلا گئے اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپؐ ان سے یہ فرمائیں کہ میرے فیصلے کو ماننے یا نہ ماننے کے بارے میں " ابن صوریا " کو حَکَم بنا دو۔ اور ابن صوریا

کے حالات و صفات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادئے۔ آپؐ نے یہودی وفد سے فرمایا کہ کیا تم اس نوجوان کو پہچانتے ہو جو سفید رنگ مگر ایک آنکھ سے معذور ہے؟ انہوں نے پہچاننے کا اقرار کیا۔ آپؐ نے فرمایا تم لوگ اُسے کیسا سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ علمائے یہود میں روئے زمین پر اس سے بڑا عالم نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسے بلاؤ۔ چنانچہ اسے بلا یا گیا۔ وہ آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قسم دیکر پوچھا کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ وہ بولا، قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم آپؐ نے مجھ کو دی ہے اگر مجھے یہ قسم نہ دیتے اور مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ اگر غلط بیانی کروں گا تو تورات مجھے جلاڈالے گی تو کبھی اس کو ظاہر نہ کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ حکمِ اسلام کی طرح تورات میں بھی یہی حکم ہے کہ ان دونوں کو سنگسار کر دیا جائے، مگر جب ہمارے اشراف میں زنا کی کثرت ہوئی تو کچھ عرصہ تک تو یہ رہا کہ اشراف کو چھوڑ دیتے اور پسماندہ طبقہ پر سزا جاری کردیتے۔ لیکن پھر ہم نے یہ طے کیا کہ رجم کے بجائے ایک ایسی سزا مقرر کر لی جائے جو شریف و وضیع سب پر جاری کی جاسکے۔ اور وہ تھی منہ کالا کر دینا، جوتے لگانا اور گدھے پر الٹا سوار کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنکر فرمایا:

اللّٰھم اِنّی اوّل مَنْ اَحْیَا	"یا اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے
امرک اذ اماتوا۔	تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ انہوں نے
" " " " "	اس کو مٹا ڈالا تھا"

چنانچہ آپؐ کے حکم سے ان دونوں پر رجم کی سزا جاری کی گئی۔

اس شانِ نزول کی روشنی میں ان آیات کریمہ پر غور کیا جائے تو چند نتائج سامنے آتے ہیں:

اوّل: قرآن کریم نے تورآت کے حکمِ رجم کی تصدیق فرمائی اور اس حکم کو برقرار رکھا۔

دوم: اس حکم کو " مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ " کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ اور اس معاملہ میں کسی قسم کی رُو رعایت روا رکھنے سے " وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآئَھُمْ " (اور نہ پیروی کر ان کی خواہشوں کی) کہکر شدّت سے منع فرمادیا۔

سوم : جو لوگ اس "مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ" سے پہلوتہی کرتے ہیں ان کو "دوڑ کر کفر میں گرنے والے" اور زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود "دل کے کافر" فرمایا :

اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی	"جو لوگ کہ دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں۔
الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا	یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں
بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ	اپنے منہ سے ۔ حالانکہ ان کے دل
قُلُوْبُهُمْ. (آیت ۴۱)	مسلمان نہیں"

چہارم : اور جو لوگ اس حکم خداوندی کو تسلیم کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں ان کو صاف الفاظ میں کافر، ظالم اور فاسق فرمایا ۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	"اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے
اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ	مطابق جو اللہ نے اتارا سو وہی لوگ
الْکٰفِرُوْنَ ۔ (۴۴)	ہیں کافر"
وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق
اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۴۵)	جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم۔
وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے
اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ	مطابق جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی
الْفٰسِقُوْنَ ۔ (۴۷)	لوگ ہیں نافرمان" ...

جب رجم کے حکم کی قرآن اتنی شد و مد سے تاکید کرتا ہے اور اس سے پہلوتہی کرنے اور نہ ماننے والوں کو "اسلام کے زبانی دعویدار مگر دل کے کافر" ظالم اور فاسق کہتا ہے ۔ تو سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی کونسی آیت ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی سُنّت ہے جس نے اس شدید و مؤکد حکم کو منسوخ کر دیا ہو ؟ اور جو لوگ اس حکم سے انحراف کرتے ہیں کیوں نہ ان کو ان قرآنی آیات کا مصداق سمجھا جائے ۔

ج : چونکہ رجم کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی

حکم کے لئے کتاب اللہ کا حوالہ دیتے تھے۔

چنانچہ صحاح کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ دوسرے نے کہا ہاں! یا رسول اللہ! واقعی ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں واقعہ بیان کروں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں! بیان کرو۔ اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں نوکر تھا۔ اس نے اِس کی بیوی سے زنا کیا۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا جاری ہوگی۔ میں نے اس کے فدیہ میں اس شخص کو سو بکریاں اور ایک لونڈی دی۔ پھر میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہے۔ اور رجم کی سزا اس کی بیوی پر ہے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اما والذی نفسی بیدہٖ لاقضین بینکما بکتاب اللہ۔ اما غنمك و جاریتك فردّ علیك۔ واما ابنك فعلیہ جلد مائۃٍ وتغریب عام۔ واما انت یا اُنیس! فاغد إلی امرأۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص۳۰۹)	" یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سُنو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ، تیری بکریاں اور لونڈی تجھے واپس کر دی جائیں گی۔ اور تیرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا جاری ہوگی۔ اور ہاں! اُنیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ: اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کرو "

یہ صحیح حدیث تمام کتب حدیث میں موجود ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے سزائے رجم کو حلفاً کتاب اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآن میں سزائے رجم مذکور نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کیوں کرتے۔ جو لوگ سزائے رجم کے منکر ہیں وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلف کی بھی تکذیب کرتے ہیں۔

د : اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور خطبہ بھی حدیث کی قریباً سبھی کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ص ۱۰۰۹ ج ۲ اور صحیح مسلم ص ۶۵ ج ۲ میں ہے:

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ	"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
عنہ وھو جالس علی منبر	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	پر بیٹھ کر فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے
سلّم انّ اللہ بعث محمّداً	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق کے ساتھ
صلی اللہ علیہ وسلّم بالحق۔	بھیجا۔ اور آپؐ پر کتاب نازل فرمائی۔
وانزل علیہ الکتاب۔	اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں
فکان ممّا انزل اللہ علیہ	آیت رجم بھی تھی۔ جسے ہم نے پڑھا۔
اٰیۃ الرجم۔ قرأناھا۔	محفوظ کیا اور خوب سمجھا۔ پس اس
ووعیناھا۔ وعقلناھا۔	کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرجم رسول اللہ صلی اللہ	نے رجم کیا۔ اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی
علیہ وسلّم ورجمنا	رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر
بعدہٗ۔ فاخشیٰ ان طال	کچھ زیادہ زمانہ گزرے گا تو کوئی کہنے
بالناس زمان۔ ان یقول	والا کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم
قائل ما نجد الرجم فی	نہیں پاتے۔ پس وہ ایک ایسے
کتاب اللہ تعالیٰ۔ فیضلوا	فریضے کو جو اللہ تعالیٰ نے نازل
بترک فریضۃ انزلھا اللہ	فرمایا، چھوڑ کر گمراہ ہوں گے۔

تعالیٰ ۔ وان الرجم فی	اور بے شک رجم اللہ کی کتاب میں حق
کتاب اللہ حق ۔ علی من زنا	ہے اس زانی پر جو شادی شدہ ہو ۔
اذا احصن من الرجال و	خواہ مرد ہو یا عورت جب کہ گواہی
النساء اذا قامت البینۃ	قائم ہو جائے ۔ یا حمل ظاہر ہو جائے
او کان الحبل او الاعتراف۔	(جس کا اسے چار و ناچار اقرار کرنا پڑے)

یا وہ (بغیر ظہور حمل کے) از خود اقرار کر لے "

بعض حضرات نے اس آیت رجم کے بارے میں، جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، یہ کہا ہے کہ قرآن کریم میں اس مضمون کی ایک آیت نازل ہوئی تھی " الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالاً من اللہ۔ واللہ عزیز حکیم "۔ جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر حکم باقی رکھا گیا۔ یہ بحث تو ہم بعد میں کریں گے کہ ایسی کوئی آیت نازل ہوئی تھی ۔ یا نہیں ۔ اور یہ کہ کیا روایت سے ان الفاظ کی قرآنیت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں یہاں تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ برسر منبر فرما رہے ہیں :

وان الرجم فی کتاب اللہ	" اور بلا شک وشبہ رجم کتاب اللہ
حق ۔	میں حق ہے "

جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ رجم کتاب اللہ میں اب بھی موجود ہے۔ مگر چونکہ عام لوگوں کا فہم اس سے قاصر تھا ۔ اور اس امر کا اندیشہ تھا کہ وقت گذرنے پر لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا اور بھی مشکل ہو جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے الفاظ " اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا " ہی کی تفسیر رجم کے ساتھ فرمائی ہے ۔ اور یہ کہ اسی رجم کو قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ " مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ " فرمایا ہے ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ کچھ لوگ اپنے قصورِ فہم اور وفورِ جہل کی بنا پر کتاب اللہ میں رجم کے موجود ہونے کا انکار کر کے گمراہ ہوں گے ۔ امام نووی رح شرح مسلم میں لکھتے ہیں :

ھذا الذی خشیہ قد	" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اندیشہ

وقع من الخوارج ومن وافقهم لما سبق بيانه وهذا من كرامات عمر رضی اللّٰہ عنہ۔ ویحتمل انہ علم ذالک من جھۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (شرح صحیح مسلم ص۶۵ ج۲)

ظاہر کیا۔ خارجیوں اور ان کے ہم مشرب لوگوں کی طرف سے وقوع میں آیا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ کی کرامت ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات انہیں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی جانب سے معلوم ہوا ہو (اس صورت میں یہ معجزۂ نبوی ہوگا۔)

الغرض چونکہ رجم کا حکم قرآنی حکم ہے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اس حکم کو مصحف کے حاشیہ پر صراحۃً لکھ دیا جائے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے قرآن میں اضافہ کر دیا۔ اس ارادہ کی تعمیل نہیں فرمائی۔ قرآن کریم کے حاشیہ پر بھی اگر لکھ دیا جاتا تو وہ قرآن نہیں بن جاتا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ کے تشریحی نوٹ ہی کی حیثیت اس کو حاصل ہوتی۔ اور یہ تشریح آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرما دی۔

خلاصہ یہ کہ رجم قرآن کریم کا حکم ہے، قرآن کریم نے کہیں اس کو "اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا" سے ذکر فرمایا اور اس کی تشریح حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی آسمانی کے ذریعہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے کرائی۔ اور کہیں اس حکم کو "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" فرما کر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اس "مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" سے انحراف کرنے والوں کو "دل کے کافر" اور ظالم و فاسق قرار دیا۔ اور آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے بھی اس کو کتاب اللّٰہ کا حکم قرار دیا۔ اور خلفائے راشدینؓ نے بھی ——— ان تمام امور کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ رجم کا حکم اسلام ہی میں نہیں تو سوچنا چاہئے کہ اس کی رائے اہل بصیرت کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔

⁂

سزائے رجم اور سنّت نبویؐ

قرآن کریم کے بعد شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ و منبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مطہرہ ہے۔ دین و شریعت کی تشکیل سنّتِ نبویؐ سے ہوئی۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو نہ عبادات کا کوئی خاکہ مرتب ہو سکتا ہے اور نہ معاملات و معاشرت وغیرہ کا کوئی مربوط نظام سامنے آتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے دین کا مدار "الکتاب" کے ساتھ صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر رکھا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب)

"بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ اس شخص کے لئے جو امید رکھتا ہو اللہ کی اور آخرت کے دن کی۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو احکام دئے جائیں ان کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر)

"اور جو کچھ دے تم کو رسول اسے لے لو۔ اور جس سے روک دے۔ رک جاؤ۔"

دورِ جدید میں ایک خاص حلقہ میں یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے کہ ہر مسئلہ کے لئے قرآن کریم سے سند لانا ضروری ہے۔ اور جس ذات مقدسہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب اللہ نازل کی گئی اس کے اسوۂ حسنہ سے نہ صرف بے نیازی کا اظہار کیا جاتا ہے بلکہ ایک طرح اسے نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم اس طرز فکر کو خالص کفر قرار دیتا ہے،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

"سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ تجھ ہی کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو اُن

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء:۶۵)	میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے۔ اور قبول کریں خوشی سے"

دراصل کسی شخصیت کو "رسول اللہ" مان لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کا ہر فیصلہ واجب التسلیم ہو، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کسی مومن کا شیوہ نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ خالص کفرو نفاق ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی معاملہ میں فیصلہ فرمادیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو اپنے خالص ذاتی اور نجی معاملہ میں کسی قسم کا اختیار باقی نہیں رہ جاتا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۳۶)	"اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردیں تو ان کو اپنے کام سے متعلق کسی قسم کا کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔"

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس معاملہ میں جو فیصلہ فرمادیا وہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اور اس سے انحراف فیصلۂ خداوندی سے انحراف ہے۔ پس جس شخص کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ آئے اور وہ اس کے قبول کرنے میں ہچکچائے تو اس کی وجہ بقول امام غزالیؒ، "کفر خفی یا حماقت جلی" کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سنت نبویؐ کے حجت شرعیہ ہونے کو علمائے امت نے "ضروریات دین" میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ ابن ہمامؒ کی تحریر الاصول اور اس کی شرح تیسیر التحریر میں ہے:

(حجیۃ السنۃ) سواء كانت مفيدة للفرض او الواجب	"سنت کا حجت ہونا خواہ وہ فرض یا واجب کے لئے مفید ہو یا کسی اور

أو غيرهما (ضرورة دينية) كل من له عقل و تمييز حتى النساء والصبيان يعرف ان من ثبت نبوته صادق فيما يخبر عن الله تعالى ويجب اتباعه۔ (تيسير التحرير على كتاب التحرير ج ۳ ص ۲۲)

چیز کے لئے ، ضرورت دینیہ ہے۔ ہر وہ شخص جس کو عقل و تمیز حاصل ہے ، یہاں تک کہ عورتیں اور بچے بھی جانتے ہیں کہ جس شخص کی نبوت ثابت ہو وہ ان تمام امور میں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دیتا ہے ، صادق ہے اور اس کی اتباع واجب ہے۔"

اور یہ مسئلہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت جب زنا کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت متواترہ سے ثابت ہے۔ شیخ ابن ھمامؒ لکھتے ہیں :

ثبوت الرجم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم متواتر المعنى كشجاعة علي وجود حاتم۔ والآحاد في تفاصيل صوره وخصوصياته واما اصل الرجم فلا شك فيه۔

"جس طرح شجاعت علیؓ اور جود حاتم کے واقعات متواتر ہیں۔ اسی طرح رجم کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر المعنی ہے۔ اگرچہ ایک ایک واقعہ کی تفصیلات مخبر واحد ہوں۔ مگر اصل رجم بلاشک و شبہ ثابت ہے۔"

اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

والحاصل ان انكاره انكار دليل قطعي بالاتفاق۔ فان الخوارج يوجبون العمل بالمتواتر معنى او لفظا كسائر

"حاصل یہ کہ اس کا انکار بالاتفاق دلیل قطعی کا انکار ہے ، کیونکہ جو چیز لفظاً یا معنًی متواتر ہو خارجی بھی — دیگر اہل اسلام کی طرح — اس پر

المسلمين . الا ان اغرافهم	عمل کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں مگر
عن الاختلاط بالصحابة	خارجیوں کے صحابہ کرامؓ اور اہل اسلام
والمسلمين وترك التردد	کے ساتھ میل جول سے انحراف اور
الى علماء المسلمين والرواة	علمائے اسلام اور راویانِ حدیث
اوقعهم فى جهالات كثيرة	کی طرف رجوع نہ کرنے نے ان کو بہت
لخفاء السمع عنهم و	سی جہالتوں کے گڑھے میں ڈال دیا تھا
الشهرة . ولهذا حين	کیونکہ ان سے احادیث کی سماعت
عابوا على عمر بن عبد العزيز	اور شہرت مخفی رہی . چنانچہ جب انہوں
القول بالرجم ، لانه ليس	نے عمر بن عبد العزیزؒ پر رجم کے بارے
فى كتاب الله الزمهم	میں اعتراض کیا کہ وہ کتاب اللہ میں
باعداد الركعات ومقادير	مصرح نہیں . تو حضرت عمر بن عبد العزیز
الزكوة فقالوا ذلك لانه	نے جواب دیا کہ نمازوں کی رکعات
فعله رسول الله صلى الله	کی تعداد اور مقادیر زکوٰۃ بھی قرآن
عليه وسلم والمسلمون ،	میں مصرح نہیں . انہوں نے کہا کہ
فقال لهم وهذا ايضاً	یہ اس لئے ثابت ہیں کہ ان کو رسول اللہ
فعله هو والمسلمون	صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے
(فتح القدير ص ۱۳ ج ۵)	کیا ہے . حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے

فرمایا ، یہ رجم بھی آپؐ نے اور مسلمانوں نے کیا ہے ۔"

احادیث کے مستند مجموعوں سے اگر رجم کی احادیث نقل کی جائیں تو یہ ایک مستقل رسالہ کا موضوع ہے . مگر میں یہاں چند احادیث کی طرف مختصراً اشارہ کر دینا کافی سمجھتا ہوں . ان میں سے بعض احادیث کا ذکر پہلے آچکا ہے .

ا ــــ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما کی حدیث پہلے گذر چکی

ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا تھا :

والذی نفسی بیدہٖ لاقضین بینکما بکتاب اللہ ۔	"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا"۔

اس کے بعد آپؐ نے عورت کے اقرارِ زنا پر اس کے رجم کا حکم فرمایا :

فاعترفت فامر بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجمت ۔	"چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے رجم کیا گیا"۔

(صحیح بخاری ص۱۰۰۸ ج۲ ، صحیح مسلم ص۶۹ ج۲ ، مؤطا امام مالک ص۳۴۹ ، ابوداؤد ص۶۰۶ ، نسائی ص۳۰۸ ج۲ ، ترمذی ص۱۷۲ ج۱ ، ابن ماجہ ص۱۸۶ ۔)

۲ ـــــ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے لفظ "سبیلاً" کی تشریح کرتے ہوئے شادی شدہ کے رجم کا حکم فرمایا : (صحیح مسلم ص۶۵ ج۲ ، ابوداؤد ص۶۰۶ ، ترمذی ص۱۷۳ ج۱ ، ابن ماجہ ص۱۸۶)

۳ ـــــ یہودی مرد و عورت کے رجم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی گذر چکی ہے (صحیح بخاری ص۱۰۱۱ ج۲ ، صحیح مسلم ص۶۹ ج۲ ، مؤطا امام مالک ص۳۴۶ ، ابوداؤد ص۶۱۱ ، ترمذی ص۱۷۳ ج۱ ، ابن ماجہ ص۱۸۷)

۴ ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی گذر چکی ہے :

رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہٗ ۔	"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا ۔ اور ہم نے بھی آپؐ کے بعد رجم کیا"۔

(بخاری ص۱۰۰۸ ج۲ ، مسلم ص۶۵ ج۲ ، ترمذی ص۱۷۲ ج۱ ، ابوداؤد ص۶۰۶ ، مؤطا امام مالک ص۳۴۹ ، ابن ماجہ ص۱۸۶)

حدیث ۵: عن عثمان رضی اللہ عنہ انہ اشرف علیھم یوم الدار فقال انشدکم باللہ اتعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث: زنا بعد احصان. وارتداد بعد اسلام. وقتل نفس بغیر حق. قالوا اللھم نعم. قال فعلام تقتلونی.

(ترمذی ص۴۱ ج۲، ابن ماجہ ص۱۸۵، مستدرک حاکم ص۳۵۰ ج۴، نسائی ص۱۶۵ ج۲)

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران باہر جھانک کر فرمایا! میں تم کو قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں۔ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا مرتکب ہو۔ یا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے، یا کسی کو ناحق قتل کر ڈالے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! ہاں۔ فرمایا: پھر تم مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو؟"

وعن ابن عمر ان عثمان قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلث. رجل زنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمداً فعلیہ القود او ارتد بعد اسلامہ فعلیہ القتل۔ (نسائی ص۱۶۸)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں مگر تین میں سے کسی ایک وجہ سے۔ وہ شخص جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو۔ تو اس پر رجم ہے۔ یا کسی کو عمداً قتل کر دیا ہو تو اس پر قصاص ہے۔ یا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے تو اس پر قتل کی سزا ہے۔"

حدیث ۶ : اسی مضمون کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے ۔ اس میں یہ الفاظ ہیں :

رجل زنی بعد احصان فانہ یرجم	" ایک وہ آدمی جس نے شادی کے
(مسلم ص۵۹ ج۲ ، ابوداؤد ص۵۹۸ ج۲ ، نسائی ص۱۶۵ ج۲ و ص۱۶۸ ج۲)	بعد زنا کیا ہو ۔ اس کو رجم کیا جائیگا۔"

حدیث ۷ : اسی مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :-

لایحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث ۔ الثیب الزانی والنفس بالنفس ۔ والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ ۔	" حلال نہیں کسی مسلمان کا خون مگر تین میں سے ایک وجہ سے ۔ شادی[1] شدہ زنا کرے ۔ خون[2] کا بدلہ خون ۔ اور[3] جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر جماعت مسلمین سے الگ ہو جائے ۔"
(صحیح بخاری ص۱۰۱۶ ج۲ ، صحیح مسلم ص۵۹ ج۲ ، ابوداؤد ص۵۹۸ ج۲ ، ترمذی ص۱۶۸ ج۱ و ص۱۸۰ ج۱ ، نسائی ص۱۶۵ ج۲)	

حدیث ۸ : یہی حدیث حضرت ابو قلابہ تابعی سے مرسلاً بھی مروی ہے ۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا :

واللہ ما قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احداً قط الا فی ثلث خصال ۔ رجل قتل بجریرۃ نفسہ فقتل ۔ اور جل زنی بعد احصان ۔ او رجل حارب اللہ ورسولہ وارتد عن الاسلام (صحیح بخاری ص۱۰۱۹ ج۲)	" اللہ کی قسم ! نہیں قتل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کبھی ۔ مگر تین وجہ سے ۔ ایک یہ کہ کسی شخص نے کسی کو ظلماً قتل کیا تو اس کے بدلے قتل کیا گیا ۔ یا کسی نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو ۔ یا کسی نے اللہ و رسول سے جنگ کی ہو اور وہ اسلام سے مرتد ہو گیا ہو ۔"

حدیث ۹: اسی مضمون کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مجمع الزوائد ص۱۵۷، ج۱۲)

حدیث ۱۰: یہی حدیث حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (حوالہ بالا)

حدیث ۱۱: عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ۔ فاذا قالوھا عصموا منی دمائھم واموالھم الا بحقھا۔ قیل وما حقھا۔ قال زنی بعد احصان۔ او کفر بعد اسلام۔ او قتل نفس فیقتل بہ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ (مجمع الزوائد ص۲۶، ج۱۲)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دیں۔ پس جب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تو اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا۔ مگر حق کے ساتھ۔ عرض کیا گیا کہ حق کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرنا۔ اسلام لانے کے بعد کافر ہوجانا۔ یا کسی کو قتل کرنا جس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے۔"

* * * *

حدیث ۱۲: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت راجما احدًا بغیر بینۃٍ لرجمت فلانۃ فقد ظھر فیھا الریبۃ فی منطقھا وھیئتھا ومن یدخل علیھا	"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں بغیر گواہی کے رجم کرتا تو فلاں عورت کو رجم کرتا، کیونکہ اس کی گفتگو۔ اس کی ہیئت اور اس کے پاس جانے والوں سے اس کا مشکوک کردار واضح ہوتا ہے۔"

(صحیح بخاری ص۸۰۰، ج۲، صحیح مسلم ص۴۹۰، ج۱، نسائی ص۱۰۹، ج۲، ابن ماجہ ص۱۸۷)

حدیث ماعزؓ :

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات تھے جن میں آپؐ نے شادی شدہ مرتکب زنا کی سزا رجم فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً بھی سزائے رجم نافذ فرمائی۔ چنانچہ حضرت ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ گناہ صادر ہوا تھا۔ اور تواتر سے ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود درخواست کی کہ ان پر حد جاری کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سزائے رجم جاری فرمائی۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل احادیث دیکھی جائیں :

۱۔ حدیث جابرؓ : صحیح بخاری ص۱۰۰۶ ج۲، صحیح مسلم ص۶۶ ج۲، نسائی ص۲۷۸ ج۱، ابوداؤد ص۶۰۷ و ص۶۰۸، مسند احمد ص۳۲۳ ج۳ و ص۳۸۱ ج۳۔

۲۔ حدیث بریدہؓ : صحیح مسلم ص۶۷ ج۲، ابوداؤد ص۶۰۸، مسند احمد ص۳۴۷ ج۳۔

۳۔ حدیث ابوہریرہؓ : صحیح بخاری ص۱۰۰۶ ج۲، ص۱۰۰۸ ج۲، صحیح مسلم ص۶۶ ج۲، ابوداؤد ص۶۰۸، ترمذی ص۱۷۱ ج۱، مسند احمد ص۲۸۶ ج۲، ابن ماجہ ص۱۸۶۔

۴۔ حدیث ابن عباسؓ : صحیح بخاری ص۱۰۰۸ ج۲، صحیح مسلم ص۶۶ ج۲، ابوداؤد ص۶۰۷، مسند احمد ص۲۴۵ ج۱

۵۔ حدیث جابر بن سمرہؓ : صحیح مسلم ص۶۶ ج۲، ابوداؤد ص۶۰۷، مسند احمد ص۹۱/۹۵/۹۹/۱۰۳/۱۰۸ ج۵

۶۔ حدیث ابوسعید خدریؓ : صحیح مسلم ص۶۷ ج۲، ابوداؤد ص۶۰۸، مسند احمد ص۲ ج۳۔

۷۔ حدیث ابوبکرہؓ : ابوداؤد ص۶۱۱، مسند احمد ص۸۶ ج۵۔

۸۔ حدیث نعیم بن ہزالؓ : ابوداؤد ص۶۰۶، مسند احمد ص۲۱۷ ج۵، مؤطا امام مالک ص۳۴۸۔

۹۔ حدیث ابوذرؓ : مسند احمد ص۱۷۹ ج۵۔

۱۰۔ حدیث ابوبکرؓ : مسند احمد ص۸ ج۱، مجمع الزوائد ص۲۶۶ ج۵

۱۱۔ حدیث نصر بن دہرؓ : مسند احمد ص۴۳۱ ج۳۔

۱۲۔ حدیث ابوامامہؓ بن سہل بن حنیف : (عبدالرزاق ص۳۲۱ ج۷)

۱۳۔ حدیث عطاء بن ابی رباح مرسلاً : (عبدالرزاق ص۳۱۹ ج۷)

۱۴ - حدیث طاؤس (مرسلاً) (عبدالرزاق ص۳۲۰ ج۷)
۱۵ - حدیث حمید بن ہلال (مرسلاً) (" ص۳۲۱ ج۷)
۱۶ - حدیث عکرمہ (") (" ص۳۲۱ ج۷)
۱۷ - حدیث مجاہد (") (" ص۳۲۲ ج۷)
۱۸ - حدیث عبداللہ بن دینار (") (" ص۳۲۳ ج۷)
۱۹ - حدیث سعید بن مسیب (") (" ص۳۲۳ ج۷ ، مؤطا امام مالک ص۳۴۷ ۔

حدیث الغامدیہ :

نیز آپؐ نے قبیلۂ غامد (جو جہینہ کی ایک شاخ ہے) کی ایک خاتون پر بھی (وضع حمل کے بعد) سزائے رجم جاری فرمائی ۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل احادیث دیکھی جائیں :

۱ - حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم ص۶۸ ج۲ ، ابوداؤد ص۶۰۹ ، مسند احمد ص۴۲۹ ج۴ ، و ص۴۳۵ ج۴ و ص۴۳۷ ج۴ ، ابن ماجہ ص۱۸۷)

۲ - حدیث بریدہؓ (صحیح مسلم ص۶۷/۶۸ ج۲ ، ابوداؤد ص۶۰۸ ، مسند احمد ص۳۴۸ ج۵)

۳ - حدیث ابوبکرہؓ (مسند احمد ص۴۳ ج۵ ، ابوداؤد ص۶۱۰)

۴ - حدیث عبداللہ بن ابی ملیکہ مرسلاً (مؤطا امام مالک ص۳۴۸)

متفرق احادیث :

۱ - حدیث علیؓ :-

عن الشعبی یحدث عن علی رضی اللہ عنہ حین رجم المرأۃ یوم الجمعۃ قال رجمتھا بسنۃ رسول اللہ	"حضرت شعبی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم کیا تو فرمایا میں نے اسے

صلی اللہ علیہ وسلم ۔
(صحیح بخاری ص۱۰۰۶ ج۲، مسند احمد ص۱۲۱ ج۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق رجم کیا ہے۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

۲۔ حدیث انسؓ :

عن انس رضی اللہ عنہ قال رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما وامرہما سنۃ۔
رواہ ابویعلی ورجالہ ثقات۔
(مجمع الزوائد ص۲۶۴ ج۶، المطالب العالیہ ص۱۱۶ ج۲ حدیث ۱۸۱۲)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رجم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے، اور ان کا حکم بھی سنت ہے۔"

۳۔ حدیث عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ :

عن الشیبانی قال سألتُ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ھل رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم، قلتُ: قبل سورۃ النور او بعدُ۔ قال لا ادری۔
(صحیح بخاری ص۱۰۰۶ ج۲، صحیح مسلم ص۷۰ ج۲، مسند احمد ص۳۵۵ ج۴)

"شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا؟ فرمایا، ہاں! میں نے کہا، سورۂ نور سے پہلے یا بعد؟ فرمایا مجھے خبر نہیں۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

۴ - حدیث نعمان بن بشیرؓ :

عن حبیب بن سالم قال أُتِیَ	" حبیب بن سالم کہتے ہیں کہ حضرت
النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ	نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے پاس
برجل غشی جاریۃ امرأتہ	ایک شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کی
فقال لاقضی فیہا الابقضاء	باندی سے صحبت کی تھی ۔ تو فرمایا کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سلم ۔ قال ان کانت احلتھا	کے فیصلے کے سوا کوئی فیصلہ نہیں کروں
لہ جلدتہ مائۃ ۔ وان	گا ۔ فرمایا اگر عورت نے یہ باندی اس
لم تکن اذنت لہ رجمتہ	کے لئے حلال کر دی تھی تو میں اس کے
(ابو داؤد ص ۶۱۲ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۸۶)	سو کوڑے لگاؤں گا ، اور اگر اس نے

اس کو اجازت نہیں دی تھی میں اس کو رجم کروں گا "[1]

۵ - حدیث وائل بن حجرؓ :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک خاتون نماز کے لئے آرہی تھی کسی نے اس سے زبردستی فعل حرام کر لیا ۔ عورت کے شور مچانے پر ایک شخص کو پکڑ لیا گیا ۔ عورت نے سمجھا کہ یہی مجرم ہے ۔ لیکن وہ واقعۃً مجرم نہیں تھا ۔ اصل مجرم نے جب دیکھا کہ ایک بے گناہ پر سزا جاری ہو جائے گی تو اس نے اپنے آپ کو بارگاہِ رسالت میں پیش کرتے ہوئے

---

[1] ابو داؤد کے حاشیہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کرے اگر وہ شبہ کی وجہ سے اس کو حلال تصور کرتا ہو تو حد جاری نہیں ہو گی ۔ ورنہ زانی محصن کی حد اس پر جاری ہو گی ۔ حدیث میں بیوی کے حلال کرنے یا نہ کرنے کی جو دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اسی حلال سمجھنے یا نہ سمجھنے کی تائید کے لئے ہیں اور سو کوڑوں سزا بطور تعزیر کے ہے بطور حد کے نہیں ۔

کہاکہ قصوروار یہ نہیں۔ بلکہ میں ہوں۔

فقال لها اذهبی. فقد غفر الله لك. وقال للرجل قولاً حسناً وقال للرجل الذی وقع علیها ارجموه، و قال لقد تاب توبة لو تابها اهل المدینة لقبل منهم۔ (رواه ابوداود والترمذی. مشکوٰة ص۳۱۱ وقال الترمذی ص۱۷۵ ج۱ هذا حدیث حسن غریب صحیح[۱]	"پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، جا! اللہ نے تیری بخشش کردی۔ اور پہلے آدمی کے بارے میں اچھے الفاظ فرمائے۔ اور مجرم کے بارے میں فرمایا کہ اسے رجم کرو۔ اور فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اہل مدینہ ایسی توبہ کرلیتے تو ان سے قبول کرلی جاتی۔

۶۔ حدیث جابرؓ:

عن جابر رضی الله عنه ان رجلاً زنیٰ بامرأة فامر به رسول الله صلی الله علیه وسلم فجلد الجلد ثم اخبر انّه محصن فامر به فرجم (ابوداوٗد ص۶۰۹)	"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے لگانے کا حکم فرمایا۔ پھر آپ کو بتایا گیا کہ یہ شادی شدہ ہے، تو رجم کرنے کا حکم فرمایا۔"

---

[۱] مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث مختصر نقل ہوئی ہے جس سے مضمون کے سمجھنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔

۷ - حدیث لجلاج رضؓ :

حضرت لجلاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ کہ ایک عورت بچے کو اٹھائے ہوئے گذری۔ لوگ اس کے ساتھ ہوئے۔ میں بھی ان میں شریک تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس بچے کا باپ کون ہے عورت خاموش رہی۔ ایک نوجوان نے کہا، یارسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پھر سوال کیا۔ نوجوان نے پھر کہا، یارسول اللہ! میں اس کا باپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے تحقیق فرمائی (کہ اس کو جنون تو نہیں) عرض کیا گیا، یہ تندرست ہے۔ آپؐ نے اس نوجوان سے فرمایا کہ کیا تم شادی شدہ ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا،

فامر بہ فرجم (ابوداود ص۶۱۰، مسند احمد ج۳ ص۴۷۹) "پس وہ آپؐ کے حکم سے رجم کیا گیا۔"

۸ - ایک مبہم صحابی کی حدیث :

عن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عمرو القرشی قال حدثنی من شھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامر برجم رجل بین مکۃ والمدینۃ. فلما اصابتہ الحجارۃ فر فبلغ ذٰلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فھلا ترکتموہ.	"عبدالعزیز بن عبداللہ القرشی کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک ایسے صاحب نے یہ حدیث بیان کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ جبکہ آپؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک شخص کے رجم کا حکم فرمایا۔ پس جب اس کو پتھر لگے تو بھاگا۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا (کہ شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتا، اور اس سے حد ساقط ہو جاتی)۔"

یہ وہ احادیث ہیں جن میں صراحۃً شادی شدہ (محصن) زانی کی سزا رجم (سنگساری) نقل کی گئی ہے۔ اور ایسے جن صحابۂ کرام نے نقل کیا ہے۔ ان کے اسماء گرامی کی فہرست پر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی۔
(۵) حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود (۷) حضرت جابر
(۸) حضرت ابوہریرہ (۹) حضرت بریدہ (۱۰) حضرت ابن عباس (۱۱) حضرت جابر بن سمرہ
(۱۲) حضرت ابوسعید خدری (۱۳) حضرت ابوبکرہ (۱۴) حضرت ابوذر (۱۵) حضرت نصر بن دہر
(۱۶) حضرت ہزال (۱۷) حضرت عمران بن حصین (۱۸) حضرت انس بن مالک (۱۹) حضرت عبادہ بن صامت
(۲۰) حضرت نعمان بن بشیر (۲۱) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۲۲) حضرت وائل بن حجر (۲۳) حضرت لجلاج
(۲۴) حضرت ابوامامہ سہل بن حنیف۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان احادیث کے علاوہ متعدد احادیث ایسی ہیں جن میں زانی کی سزا جلد (کوڑے لگانے) کو اس کے غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہونے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر زنا کا مرتکب شادی شدہ ہو تو اس کی سزا جلد (کوڑے لگانا) نہیں۔

ان تمام احادیث کو بنظر مجموعی دیکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی محصن (شادی شدہ) کی "حد" رجم ارشاد فرمائی ہے۔ اور دورِ نبویؐ کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں آپؐ نے ایسے مجرم کو سنگسار کرنے کا حکم نہ فرمایا ہو۔ اس تواتر کے بعد جو شخص سزائے رجم کا انکار کرتا ہے وہ یا تو ——— خارجیوں کی طرح ——— ان متواتر احادیث سے جاہل ہے۔ یا وہ ملحد و زندیق ہے جس کے نزدیک نعوذ باللہ اسلامی متواترات بھی مشکوک ہیں۔

اِجماعِ صحابہؓ

کسی مسئلہ پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع و اتفاق قطعی حجت ہے۔ اور جو شخص

صحابہ کرام کے اجماع کو ترک کرتا ہے وہ قرآن کی اس آیت کا مصداق ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ	" اور جو شخص مخالفت کرے رسول
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى	(صلی اللہ علیہ وسلم) کی ، بعد اس
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ	کے کہ کھل چکا اس کے سامنے راستہ .
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ	اور چلے مومنوں کا راستہ چھوڑ کر .
جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا	ہم اس کو پھیر دیں گے جدھر پھرتا ہے
(النساء)	اور اسے جھونک دیں گے جہنم میں . اور
	بہت بُری ہے وہ لوٹنے کی جگہ "

رجم کے مسئلہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اس سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء راشدین ابوبکر صدیق ، عمر فاروق ، عثمان بن عفان اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم نے سزائے رجم جاری فرمائی[1] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو " حدٌّ من حدود اللہ " فرمایا . اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں آپؐ نے زانی محصن کے لیے سزائے رجم تجویز نہ فرمائی ہو . اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں ایک صحابی کا نام بھی نہیں ملتا جس نے زانی محصن کے لئے رجم کے سوا کوئی اور سزا تجویز فرمائی ہو .

اجماعِ امّت

ظاہر ہے کہ جس سزا پر قرآن ناطق ہو . آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواتر ہوں . صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہو اس میں کسی سچے مسلمان کو

---

[1] حضرت ابوبکر ، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے " حدِ رجم " جاری کرنے کے حوالے اوپر گذر چکے ہیں ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سزائے رجم جاری کرنے کا واقعہ موطا امام مالک ص ۳۴۹ اور مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۱ ج ۷ میں ہے .

اختلاف کی گنجائش کب ہوسکتی ہے، چنانچہ حضرات صحابہ کرام سے لیکر آج تک تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ زانی محصن کی سزا رجم (سنگساری) ہے، اس سلسلہ میں چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں :

۱ - امام محمدؒ موطاؒ (باب الرجم) میں رجم کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

قال محمد. وبهذا كله ناخذ. ايّما رجل حر مسلم زنى بامرأة وقد تزوج قبل ذلك حرة مسلمة وجامعها ففيه الرجم. وهذا هو المحصن .... وهذا قول ابى حنيفة رحمه الله و العامة من فقهائنا (ص۳۰۵)

" ہم ان تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں جس آزاد مسلمان آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو۔ اور وہ اس سے پہلے کسی آزاد مسلمان عورت سے شادی کرکے اس سے صحبت کرچکا تھا۔ تو اس پر رجم ہے۔ اور یہی محصن ہے (جس کی حد رجم ہے) ... اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے تمام فقہاء کا قول ہے۔"

اور " ھدایہ " میں ہے :

۲- واذا وجب الحد وكان الزاني محصنا رجمه بالحجارة حتى يموت ... وعلى هذا اجماع الصحابة (ھدایہ مع فتح القدیر ص۱۲ ج۵)

" اور جب حد واجب ہوجائے اور زانی شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کرے یہاں تک کہ وہ مرجائے .... اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔"

۳- شیخ ابن ہمامؒ اس پر لکھتے ہیں :

عليه اجماع الصحابة ومن تقدم من علماء المسلمين (حوالہ بالا)

" حد رجم پر صحابہؓ کا اور تمام پیش رو علماء اسلام کا اجماع ہے۔"

۴ - امام محی الدین النووی الشافعی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :

واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائة ورجم المحصن وھو الثیب ولم یخالف فی ھذا احد من اھل القبلة الا ما حکی القاضی وغیرہ عن الخوارج وبعض المعتزلة کالنظام واصحابه (ص ۶۵ ج ۲)

"اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگانا، اور شادی شدہ محصن کو رجم کرنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں اہل قبلہ میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ سوائے اس کے جو قاضی عیاض وغیرہ نے خوارج اور نظام معتزلی اور اس کے مقلدین سے نقل کیا ہے۔"

موفق ابن قدامہ المقدسی الحنبلی "المغنی" میں لکھتے ہیں :

وجوب الرجم علی الزانی المحصن رجلاً کان او امرأةً ۔ وھذا قول عامة اھل العلم من الصحابة والتابعین ومن بعدھم من علماء الامصار فی جمیع الاعصار ۔ ولا نعلم فیه مخالفاً الا الخوارج ۔

(ص ۱۵۷ ج ۸)

"شادی شدہ زانی پر ـــ خواہ مرد ہو یا عورت ـــ رجم کا واجب ہونا عام اہل علم کا قول ہے یعنی صحابہؓ تابعین اور ان کے بعد کے تمام زمانوں کے اور تمام ملکوں کے اہل علم کا۔ اور اس مسئلہ میں خارجیوں کے سوا کسی کی مخالفت ہمیں معلوم نہیں۔"

٦ - امام ابو محمد علی ابن حزم الظاہری "المحلّٰی" میں لکھتے ہیں :

وجدنا الناس قد اجمعوا علی ان الحر الزانی والحرة

"تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد یا عورت جب زنا کے

الزانية اذا كانا غير
محصنين فان حدّهما
مائة جلدة ....
ثمّ اتفقوا كلهم ___
حاش من لا يعتد به
بلا خلاف وليسهم
عندنا من المسلمين ___
فقالوا ان على الحرّ والحرّة
اذا زنيا وهما محصنان
الرجم حتى يموتا (ص ۲۳۱ / ج ۱۱)

مرتکب ہوں اور وہ شادی شدہ
نہ ہوں تو ان کی حدّ سو کوڑے ہیں...
پھر تمام مسلمانوں کا اس پر بھی اتفاق
ہے کہ آزاد مرد و عورت جب زنا کے
مرتکب ہوں۔ اور وہ شادی شدہ
محصن ہوں تو ان پر رجم ہے یہاں
تک کہ وہ مرجائیں۔ اس اجماع
سے وہ لوگ خارج ہیں جن کا بالاتفاق
کوئی اعتبار نہیں۔ اور جو ہمارے
نزدیک مسلمان ہی نہیں۔"

۷ — حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں "باب رجم المحصن" کے تحت لکھتے ہیں:

قال ابن بطّال اجمع الصحابة
وائمة الامصار على انّ
المحصن اذا زنى عامداً
عالماً مختاراً فعليه
الرجم ۔ ودفع ذلك
الخوارج وبعض المعتزلة
(ص ۱۱۸ / ج ۱۲)

"ابن بطّال فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ
اور ائمۂ امصار کا اس پر اجماع
ہے کہ شادی شدہ جب جانتے
بوجھتے بغیر جبر واکراہ کے زنا کرے
تو اس پر رجم ہے۔ اور خوارج اور
بعض معتزلہ نے اس کو ٹالنے کی
کوشش کی ہے۔"

۸ — حافظ ابوالولید ابن رُشد القرطبی المالکی "بدایۃ المجتہد" میں لکھتے ہیں:

فامّا الثيّب الاحرار المحصنون
فانّ المسلمين اجمعوا على
ان حدّهم الرجم الّا فرقة

"لیکن شادی شدہ آزاد مسلمان
(اگر زنا کے مرتکب ہوں) تو تمام
مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ان

من اهل الاهواء (ص ۱۲۶ ج ۲)

کی حد رجم ہے سوائے ایک گمراہ فرقے کے۔"

۹ ـ موفق ابن قدامہ "المغنی" میں لکھتے ہیں :

معنى الرجم ان يرمى بالحجارة وغيرها حتى يقتل بذلك قال ابن المنذر اجمع اهل العلم على ان المرجوم يدام عليه الرجم حتى يموت (ص ۱۵۸ ج ۸)

"رجم کے معنیٰ یہ ہیں کہ پتھر وغیرہ برسائے جائیں یہاں تک کہ وہ اس سے قتل ہو جائے ابن المنذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مرجوم پر اس کے مرنے تک سنگساری جاری رکھی جائے گی۔"

۱۰ ـ علامہ ابّی مالکی شارحِ مسلم لکھتے ہیں :

قلت عامة المسلمين على ان حدّ الزاني المحصن الرجم. وانكاره من لا يعتدّ به من المبتدعة. (اكمال اكمال المعلم ص ۲۴۸ ج ۴)

"میں کہتا ہوں عام مسلمان اس پر ہیں کہ شادی شدہ زانی کی حدّ رجم ہے۔ اور اس کا انکار ان گمراہ مبتدعین نے کیا ہے جن کا کوئی اعتبار نہیں۔"

۱۲ ـ علامہ عبدالوہاب شعرانی "رحمۃ الامۃ" میں لکھتے ہیں :

اتفق الائمة على ان الزنا فاحشة عظيمة توجب الحدّ وانّه يختلف باختلاف الزناة. لان الزاني تارةً تكون بكراً وتارة ثيباً وهو المحصن .... فمن كملت فيه شرائط

"تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا بدترین بے حیائی ہے جو موجبِ حدّ ہے۔ اور یہ حدّ زانیوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ کیونکہ زانی کبھی غیر شادی شدہ ہوتا ہے اور کبھی شادی شدہ محصن ہوتا ہے ..... پس جس شخص میں محصن ہونے کی

الاحصان . فزنى بامرأة قد كملت فيها شرائط الاحصان. بأن كانت حرة بالغة عاقلة مدخولاً بها في نكاح صحيح وهي مسلمة فهما زانيان محصنان بالاجماع . عليهما الرجم حتى يموتا .

(بر حاشیہ میزان شعرانی ص ۱۴۲ ج۲)

شرطیں پورے طور پر پائی جائیں، وہ ایک ایسی عورت سے زنا کرے کہ اس میں محصن ہونے کی شرطیں پائی جاتی تھیں ۔ کہ وہ مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ تھی ۔ اور نکاح صحیح کے ساتھ اپنے شوہر سے مقاربت کر چکی تھی ۔ تو یہ دونوں بالاجماع زانی محصن ہیں ان پر سنگساری کی حد جاری ہوگی، یہاں تک کہ مر جائیں"۔

۱۲ ـــــ اور علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں :

وقد اجمع الصحابة رضي الله تعالى عنهم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت، و انكار الخوارج ذلك باطل لانهم ان انكروا حجية اجماع الصحابة رضي الله تعالى عنهم فجهل مركب وان انكروا وقوعه من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لانكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس مما نحن فيه لان ثبوت الرجم منه عليه الصلوٰة والسلام متواتر المعنى كشجاعة علی كرم الله تعالى وجهه وجود حاتم

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ہمارے پیشرو تمام سلف صالحین، علمائے امت اور ائمہ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائیگا یہانتک کہ وہ مر جائے ۔ اور خارجیوں نے جو اس کا انکار کیا ہے وہ محض باطل ہے کیونکہ اگر وہ اجماع صحابہؓ کے حجت ہونے کے منکر ہیں تو یہ جہل مرکب ہے، اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجم کے ثبوت کے منکر ہیں ۔ اس بنیاد پر کہ وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تو اول تو ان کا یہ موقف ہی باطل ہے ۔ علاوہ ازیں زیر بحث مسئلہ اخبار آحاد سے متعلق نہیں ۔ کیونکہ رجم کا ثبوت

والآحادی تفاصیل صورہ وخصوصیاتہ وھم کسائر المسلمین یوجبون العمل بالمتواتر معنًی کالمتواتر لفظًا الا ان انحرافھم عن الصحابۃ والمسلمین وترک التردد الی علماء المسلمین والرواۃ اوقعھم فی جہالات کثیرۃ لخفاء السمع عنھم والشھرۃ ۔ (روح المعانی ص۷۸/۹ ج۱۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معنًی متواتر ہو جس طرح کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت کے واقعات متواتر ہیں اگرچہ ہر واقعہ کی تفصیلاً متواتر نہ ہوں اور عام مسلمانوں کی طرح خوارج بھی متواتر معنوی پر عمل کرنا اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح کہ متواتر لفظی کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں سے ان کے الگ تھلگ رہنے اور علمائے مسلمین اور راویان حدیث کے پاس آمد و رفت نہ رکھنے کی وجہ سے خارجی لوگ بہت سی جہالتوں میں جا پڑے تھے کیونکہ دین کی باتیں ان کے کان میں نہ پڑیں اور مشہور مسائل کی شہرت ان سے مخفی رہی۔

چونکہ زانی محصن کو رجم کرنا اسلام کا قطعی اجماعی مسئلہ ہے اس لئے صحابہ کرامؓ کے بعد حضرات تابعین اور ائمہ مجتہدین، فقہاء و محدثین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف کوئی رائے منقول نہیں۔ جیسا کہ مختلف فقہی مسالک کی کتابوں سے واضح ہے۔

اہل تشیع کو اہل سنت سے ہزاروں مسائل میں اختلاف ہے لیکن زانی محصن کے رجم میں ان کو بھی اختلاف نہیں۔ جیسا کہ علامہ کلینی کی "الکافی" اور ان کی دوسری کتب معتبرہ سے واضح ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ اگر رجم اسلام کا کوئی مسئلہ نہیں تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے لیکر تمام علمائے امت ایک غلط مسئلہ پر نعوذ باللہ کیسے متفق ہو گئے؟

رجم پر آسمانی مذاہب کا اجماع

زانی محصن کے رجم پر نہ صرف تمام اہل اسلام کا اتفاق و اجماع ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اس پر آسمانی مذاہب کا اجماع ہے۔ چونکہ بحکم فطرت صحیحہ، زنا بدترین بےحیائی اور انسانیت سے خروج و انحراف ہے، اس لئے تمام ادیان میں اس کی سزا شدید ترین

تجویز کی گئی ہے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں ـــــ جس پر یہود و نصاریٰ دونوں متفق ہیں ـــــ زنا کی سزا رجم اور قتل تجویز کی گئی ہے ۔ اور قرآن کریم نے توریت کا حوالہ دے کر اس کو "حکم اللہ" قرار دیا ہے :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ	"اور وہ آپؐ کو کیسے منصف بنا
التَّوْرَاةُ ، فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ	سکتے ہیں ، حالانکہ ان کے پاس توریت
(المائدہ : ۴۳)	ہے ۔ جس میں "اللہ کا حکم" موجود ہے"

جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا یہ آیت (اور اس کے ماقبل و مابعد کی آیات) یہود کے مقدمۂ زنا سے متعلق ہیں ، موجودہ بائیبل میں بھی ـــــ اس کی تحریف کے باوجود ـــــ رجم کا حکم موجود ہے ۔ کتاب استثنار میں ہے :

" پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں ۔ اور اس شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے ۔ کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا ۔ یوں تو ایسی بُرائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ۔

اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں ۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی ۔ یوں تو اسرائیل میں ایسی بُرائی کو دفع کرنا ۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب کی گئی ہو ۔ اور دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر صحبت کرے تو تم اُن دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں ۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہیں چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا ۔ یوں تو ایسی بُرائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ۔" (استثنار باب ۲۲ فقرات ۲۰ تا ۲۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں ہر زانی کی سزا رجم تھی ۔ خواہ وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ ۔

شریعت اسلام میں اس میں اتنی ترسیم کر دی کہ کنوارے کے لئے سو کوڑے تجویز کئے۔ اور شادی شدہ کی سزا ئے رجم کو "حکم اللہ" کہکر بحال رکھا۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں :

واعلم انہ کان من شریعۃ من قبلنا القصاص فی القتل. والرجم فی الزنا . والقطع فی السرقۃ . فھذہ الثلاثۃ کانت متوارثۃ فی الشرائع السماویۃ . واطبق علیھا جماھیر الانبیاء والامم . ومثل ھذا یجب ان یؤخذ علیہ بالنواجذ . ولا یترک. ولکن الشریعۃ المصطفویۃ تصرفت فیھا بنوع اٰخر . فجعلت مزجرۃ کل واحد علی طبقتین . احدھما الشدیدۃ البالغۃ اقصی المبالغ . ومن حقھا ان تجعل فی المعصیۃ الشدیدۃ . والثانیۃ دونھا. ومن حقھا ان تجعل فیما کانت المعصیۃ دونھا . ففی القتل القود والدیۃ.	" جاننا چاہیئے کہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت میں قتل میں قصاص تھا۔ زنا میں رجم . اور چوری میں ہاتھ کاٹنا. پس یہ تین چیزیں آسمانی شریعتوں میں متواتر چلی آتی تھیں . اور جمہور انبیاؑ و امتوں کا اس پر اتفاق رہا. جو چیز ایسی ہو لازم ہے کہ اسے ہرگز نہ چھوڑا جائے بلکہ دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جائے ۔ لیکن شریعت مصطفوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے ان سزاؤں میں ایک اور طریقے سے تصرف کیا ۔ کہ ہر سزا کے دو درجے قرار دئے ۔ ایک نہایت سخت جو شدت اور سختی میں آخری نقطہ کو پہنچی ہوئی ہو ۔ ایسی سزا کا حق یہ ہے کہ وہ شدید ترین معصیت میں دی جائے۔ دوسری اس سے کم درجہ کی سزا ۔ اور اس کا حق یہ ہے کہ وہ کم تر درجہ کے جرم میں جاری کی جائے ۔

والاصل فيه قوله تعالى
" ذلك تخفيف من ربكم "
قال ابن عباس رضي الله عنهما
كان فيهم القصاص ولم يكن
الدية . وفي الزنا الجلد.
وكان اليهود لما ذهبت
شوكتهم . ولم يقدروا
على الرجم ابتدعوا التجبية
والتحميم . فصار ذلك تحريفا
لشريعتهم . فجمعت لنا بين
شريعتي من قبلنا السماوية
فالابتدائية وذلك غاية
رحمة الله بالنسبة الينا . الخ
(ص ۱۵۸ / ج ۲)

چنانچہ قتل (عمد) میں قصاص اور
(قتل خطا میں) دیت رکھی۔ اس کی
دلیل حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:
" یہ آسانی ہے تمہارے رب کی جانب
سے " ابن عباس رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں کہ " پہلی امتوں میں قصاص
تھا دیت نہیں تھی " اور زنا میں
(رجم کے علاوہ) جلد کو بھی رکھا۔ اور
جب یہودیوں کی شوکت جاتی رہی تھی
اور وہ رجم پر قادر نہ رہے تو انہوں
نے مجرم کا منہ کالا کرکے گدھے پر سوار
کرنے کی بدعت ایجاد کی۔ پس یہ ان
کا اپنی شریعت میں تحریف کرنا تھا۔
ہمارے لئے پہلوں کی آسمانی اور ابتدائی
دونوں شریعتوں کو جمع کر دیا گیا۔ (اور حکم دیا گیا کہ زانی محصن کو سنگسار کیا جائے
اور غیر محصن کو کوڑے لگائے جائیں) یہ ہم پر حق تعالیٰ شانہ کی انتہائی رحمت تھی۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ رجم، جماہیر انبیاء کرام علیہم السلام اور امم سابقہ کا اجماعی مسئلہ اور آسمانی مذاہب کا متوارث و متواتر قانون چلا آرہا تھا۔ ہماری شریعت نے اس میں ــــ نہایت رحمت کی بنا پر ــــ یہ ترمیم فرمائی کہ انتہائی سنگین جرم میں رجم کو باقی رکھا۔ جب کہ مجرم شادی شدہ ہو۔ اور اس سے کم تر درجہ کے جرم میں سو کوڑے تجویز فرمائے۔ جب کہ مجرم غیر شادی شدہ ہو۔ یہیں سے یہ حکمت بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ زانی محصن کی سزا چونکہ تمام آسمانی مذاہب میں متوارث و متواتر چلی آتی تھی اس لئے اس کی تصریح کی

ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ اسے "حکم اللہ" کہہ کر برقرار رکھا گیا۔ اور کوڑے لگانے کی سزا تجویز کر کے شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے گویا ایک نئی دفعہ کا اضافہ کیا تھا۔ اس لئے اس کو صراحۃً ذکر کیا گیا ـــــــــ واللہ اعلم۔

منکرین رجم کا حکم

اوپر کے مباحث سے معلوم ہو چکا کہ رجم کا مسئلہ اجمالاً قرآن سے اور تفصیلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجماع قطعی سے ثابت ہے۔ اور قرناً بعد قرنٍ مشرق و مغرب کے تمام ائمہ ہدیٰ اور اہل علم اس پر متفق رہے ہیں۔ ایسے قطعی اور متواتر امور کا انکار خروج از ملّت کا موجب ہے۔ کیونکہ منکر کے قول کو صحیح تسلیم کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ سے لیکر چودہ صدیوں کی پوری امت کو گمراہ اور راہِ حق سے بھٹکی ہوئی تصور کریں، اجماع صحابہؓ اور امت کے تعامل و توارث کے خلاف کسی شخص کی تاویل قابل التفات نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "مسوّیٰ شرح موطا" میں لکھتے ہیں:

وان اعترف به ظاهراً لکنه	"اور اگر کوئی بظاہر دین کا اقرار کرتا
یفسر بعض ما ثبت من الدین	ہے لیکن دین کی جو باتیں بداہت و
ضرورة بخلاف ما فسر	قطعیت سے ثابت ہیں ان میں سے کسی
الصحابة والتابعون واجمعت	چیز کی تفسیر صحابہ و تابعین کی تفسیر
علیه الامة فهو الزندیق۔	اور اجماع امت کے خلاف کرتا ہے
٭ ٭ ٭ ٭ ٭	تو ایسا شخص زندیق ہے"۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

ثم التاویل تاویلان۔ تاویل	"پھر تاویل دو طرح کی ہوتی ہے۔
لا یخالف قاطعاً من الکتاب	ایک وہ تاویل جو کتاب و سنت اور
والسنة واتفاق الامة۔	اتفاق امت کی کسی قطعی دلیل کے

وتاویل یصادم ما ثبت بقاطع ۔ فذلك الزندقة۔ " " " " " " " " " "

خلاف نہ ہو۔ اور دوسری وہ تاویل جو کسی ایسی چیز سے ٹکرائے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ ایسی تاویل زندقہ ہے۔"

تاویل فاسد کی چند مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فذلك هو الزندیق۔ وقد اتفق جماهیر المتاخرین من الحنفیة والشافعیة علی قتل من یجری هذا المجری۔ (مسوّی مع مصفّٰی ص۱۳۰/۲۲)

"پس جو شخص ایسی تاویلیں کرے وہ زندیق ہے اور جمہور متاخرین حنفیہ وشافعیہ[1] اس پر متفق ہیں کہ جو اس راہ پر چلے وہ واجب القتل ہے۔"

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ میں صحابہ وتابعین کے فہم کو معیارِ حق وباطل قرار دے کر اس کے خلاف تاویلات کرنے والوں کی گمراہی کے درجات بیان فرماتے ہیں، طویل ہونے کے باوجود یہاں سوال وجواب کی پوری عبارت نقل کردینا مناسب ہے:

"سوال:۔ زید در معنی حدیث شریف توجیہات واہیہ درکیکہ کہ مفضی بطرف انکار می شود می کند ہر چہ بموجب مسائل فقہی بروگناہ لازم می آید بیان فرمایند۔

جواب: تفسیر قرآن وحدیث را اوّلاً علم صرف ونحو واشتقاق ولغت ومعانی وبیان وعلم فقہ واصول فقہ وعقائد یعنی علم کلام وعلم حدیث وآثار وتواریخ ضرور

---

[1] مسوّی میں شاہ صاحبؒ حنفیہ وشافعیہ ہی کا مسلک بالالتزام بیان فرماتے ہیں۔ ورنہ دیگر حضرات کے نزدیک بھی زنادقہ کا یہی حکم ہے۔ امام مالکؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ "لا اقبل توبة الزندیق" یعنی میں زندیق کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا۔ گویا زندیق کی حیثیت کھلے مرتد سے بھی بدتر ہے۔

است بدون معرفت این علوم در آمدن در معانی قرآن وحدیث ہرگز جائز نہ و
بعد از ین ہر صاحب مذہب تمسک بقرآن وحدیث می کند و در رفع شبہات مخالفین
محتاج بتاویل میشود و تاویل قرآن وحدیث موافق مذہب خود حق می داند، و
مخالف مذہب خود باطل، ومیزان در معرفت حق و باطل فہم صحابہ و تابعین است،
آنچہ این جماعت از تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانضمام قرائن حالی ومقالی
فہمیدہ اند و دران تخطیہ ظاہر نکردہ واجب القبول است پس این صاحب
توجیہات رکیکہ اگر از قبیل اول است تہدید و وعید در حق او بسیار است
من فسر القرآن برأیہ فقد کفر من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ
مقعدہ من النار وحال قرآن وحدیث یکسان ست کہ ہر دو مبنائی دین آنم
ولغت عرب مشتمل بر حقیقت ومجاز وظاہر ومؤول و ناسخ ومنسوخ است واگر از فرقہ
ثانی ست مبتدع است اگر بر خلاف قرن اوّل حمل میکند پس در بدعت او ملاحظہ
باید نمود اگر مخالف ادلۂ قطعیہ ست یعنی نصوص متواترہ و اجماع قطعی است اورا
کافر باید شمرد و اگر مخالف ادلۂ ظنّیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماع
عرفی گمراہ توان فہمید دون الکفر والّا از باب اختلاف امّتی رحمۃ باید دانست
چون تمیز این مراتب بعلم وافر تعلق دارد ظاہر آنست کہ اختراع کنندۂ این
توجیہات از قبیل جاہلان است اورا بلزوم و استحقاق جہنم و زجر و تشدید در امر
معروف ونہی منکر از ین امر شنیع باز باید داشت وبر عوام الناس تاکید باید کرد
کہ با او صحبت ندارند وسخن او را نشنوند واگر از فرقہ ثانی کسے باشد کہ مذہب معلوم
است مانند روافض وخوارج ومعتزلہ ومجسمہ قبح مذہب او بر مردمان آشکار
باید کرد واگر گمراہی خود را در پردۂ اہل حق وامی نماید توجیہات او باین جانب
باید نوشت تا حکم آنرا ارقام نمودہ آید۔ والسلام ''

(فتاوی عزیزی ص ۱۵۶/۱ مطبوعہ سنہ ۱۳۱۱ھ)

ترجمہ: "سوال: زید حدیث شریف کے معنی میں رکیک اور بودی تاویلیں، جو انکار کی طرف مفضی ہیں، کرتا ہے۔ فقہی مسائل کے مطابق اس پر جو گناہ لازم آتا ہو، بیان فرمایا جائے۔

جواب: قرآن و حدیث کی تفسیر کے لئے سب سے پہلے یہ علوم ضروری ہیں۔ صرف، نحو، اشتقاق، لغت، معانی، بیان، علم فقہ، اصول فقہ، عقائد یعنی علم کلام، علم حدیث، صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار اور تاریخ — ان علوم کی معرفت کے بغیر قرآن و حدیث کے معانی بیان کرنے کی جرأت کرنا ہرگز جائز نہیں۔

اس کے بعد ہر صاحب مذہب قرآن و حدیث سے تمسک کرتا ہے، اور مخالفین کے شبہات کو دفع کرنے کے لئے تاویل کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اپنے مذہب کے مطابق قرآن و حدیث کی تاویل کو حق سمجھتا ہے۔ اور اپنے مذہب کے مخالف کی تاویل کو غلط۔

حق و باطل کی پہچان کی ترازو صحابہؓ و تابعینؒ کا فہم ہے۔ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے قرائن حالی و مقالی کی مدد سے جو کچھ سمجھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فہم کو غلط نہیں فرمایا وہ واجب القبول ہے۔

پس یہ شخص جو تاویلات رکیکہ کرتا ہے اگر از قبیل اول ہے (یعنی قرآن و حدیث کے لئے جو علوم ضروری ہیں ان سے جاہل ہے)، تو اس کے حق میں بہت تہدید و وعید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہوا"۔ نیز ارشاد ہے: "جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے"۔ اور قرآن و حدیث دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ کیونکہ دونوں دین کا مبنیٰ ہیں۔ اور لغت عرب حقیقت و مجاز، ظاہر و مؤول اور ناسخ و منسوخ پر مشتمل ہے۔

اور اگر یہ شخص فرقۂ دوم میں سے ہے (یعنی علم کے باوجود غلط تاویلیں کرتا ہے) تو مبتدع ہے اگر قرنِ اول کے خلاف پر محمول کرتا ہے۔ پس اس کی بدعت پر غور کرنا چاہیئے۔ اگر وہ دلائل قطعیہ یعنی نصوص متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہے تو اس کو کافر شمار کرنا چاہیئے۔ اور اگر ادلّۂ ظنّیہ قریبۃ الیقین، مثلاً اخبارِ مشہورہ اور اجماعِ عرفی کے خلاف ہے تو اس کو کفر سے نیچے درجے کا گمراہ سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ "اختلافُ اُمّتی رحمۃٌ" کے باب سے جاننا چاہیئے۔

چونکہ ان مراتب کی تمیز کے لئے علم وافر درکار ہے ظاہر یہ ہے کہ ان توجیہاتِ رکیکہ کا اختراع کرنے والا جاہلوں کے طبقہ سے ہے، اس لئے اس کو جہنم کے استحقاق ولزوم کی وعید یاد دلاکر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں سختی کرکے اس گھناؤنی حرکت سے باز رکھنا چاہیئے۔ اور عوام الناس کو تاکید کرنی چاہیئے کہ اس سے صحبت نہ رکھیں اور اس کی باتیں نہ سنیں۔

اور اگر اس کا تعلق کسی ایسے فرقہ سے ہے جس کا مذہب معلوم ہے۔ جیسے روافض، خوارج، معتزلہ اور مجسمہ، تو اس کے مذہب باطل کو لوگوں پر آشکارا کرنا چاہیئے۔

اور اگر وہ اپنی گمراہی کو اہل حق کے پردے میں ظاہر کرتا ہے تو اس کی توجیہات لکھ کر ہمارے پاس بھیجدیں تاکہ اس کا حکم تحریر کیا جاسکے۔

والسلام"

ان دونوں اکابر کی تصریح سے معلوم ہوا کہ صحابہ وتابعین کے فہم اور ائمۂ ہدیٰ کے اجماع کے خلاف کسی کی تاویل لائق التفات نہیں۔ بلکہ یہ صریح الحاد وزندقہ اور کفر خالص ہے۔

چونکہ زانی محصن کا رجم سنّت متواترۃ المعنیٰ اور صحابہؓ وتابعینؒ اور ائمہ ہدیٰ کے اجماع قطعی سے ثابت ہے اس لئے اس کا انکار صرف انہیں لوگوں نے کیا ہے جو ملحد وزندیق اور

خارج از ملت تھے۔ چنانچہ اس کے سب سے پہلے منکر خارجی ہوئے، جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یقرءون القرآن لایجاوز تراقیھم۔ یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔	"وہ قرآن پڑھیں گے۔ لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔
فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجراً لمن قتلھم یوم القیٰمۃ۔ (صحیح بخاری ص۱۰۲۴ ج۲، صحیح مسلم ص۳۴۱ ج۱)	پس تم جہاں بھی ان سے ملو انہیں قتل کرو۔ کیونکہ ان کے قتل کرنے میں قیامت کے دن اجر ہے اس شخص کے لئے جو ان کو قتل کرے"

اور ایک روایت میں ہے:

لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد (صحیح مسلم ص۳۴۱ ج۱)	"اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا"

خوارج کے بعد رجم کا انکار نظام معتزلی اور اس کے پیروؤں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ نظام معتزلی اپنے ملحدانہ عقائد و نظریات کی وجہ سے تاریخ کی بدنام ترین شخصیت ہے۔

دورِ جدید میں رجم کا انکار یا تو اُن منکرینِ حدیث نے کیا ہے جن کے نزدیک صرف یہی ایک مسئلہ نہیں، بلکہ — نعوذ باللہ — پورے کا پورا دین ہی عجمی سازش ہے۔ یا پھر نئی نبوت کے ماننے والے اس اقلیتی گروہ نے اس کا انکار کیا ہے، جو باجماع امت خارج از ملت ہے۔

الغرض کسی شخص کا اس مسئلہ سے منکر ہونا ہی اس کے متہم اور ملحد و زندیق ہونے کی دلیل ہے۔ اور بقول شخصے رجم کا منکر خود لائقِ رجم ہے۔

منکرینِ رجم کے شبہات

مسئلہ رجم پر گفتگو اندازے سے زیادہ پھیل گئی ہے۔ لیکن بحث نامکمل رہے گی اگر منکرینِ رجم کے شبہات کا جائزہ نہ لیا جائے۔ اس موضوع پر قدیم وجدید ملاحدہ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر ماہنامہ فاران (دسمبر ۱۹۸۰ء) میں عمر احمد عثمانی نے ملاحدہ کی وکالت وترجمانی زیادہ بہتر طریقہ سے کی ہے۔ اس لئے ہم اصل ہدف کے طور پر اس کو سامنے رکھیں گے۔ اور اسی ضمن میں دوسرے ملاحدہ کے شبہات کو بھی زیر بحث لائیں گے۔ واللہ الموفق۔

پہلا شبہ: خوارج سے لیکر دورِ جدید تک کے ملاحدہ کی طرف سے پہلا شبہ جو بار بار پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ رجم کی سزا قرآن میں مذکور نہیں۔ اگر اسلام میں زانی محصن کی سزا رجم ہوتی تو قرآن میں اسے ذکر کیا جاتا ___ لیکن میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ "اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا" (النسآء:۱۵) کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ زانی محصن کو رجم کیا جائے اور غیر محصن کو سو کوڑے لگائے جائیں، اور یہ تفسیر بھی محض اجتہاد سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے فرمائی، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سورۃ المائدہ کی آیات ۴۱ و مابعد یہودیوں کے مقدمۂ زنا کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید سے آپ کو رجم کا حکم فرمایا۔ اور پھر رجم کا یہ حکم صرف اسی ایک واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں زنا کے جتنے واقعات ہوئے ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی محصن کو رجم ہی فرمایا۔ اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین رضؓ (حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ) سب نے اس پر عمل کیا ___ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضؓ نے اس حکم کو کتاب اللہ کا فیصلہ فرمایا۔ ان تمام امور کو سامنے رکھنے کے بعد ایک مسلمان کو تو پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ رجم کتاب اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس سے انکار وہی کر سکتا ہے جو قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضؓ اور پوری امت سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ رکھتا ہے۔

دوسرا شبہ: خوارج اور ملاحدہ کی طرف سے یہ بات بھی بڑی شدّ ومدّ کے ساتھ کہی گئی ہے کہ زانی کی سزا قرآن کریم میں سو کوڑے ذکر کی گئی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۔ "زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ۔ ان میں سے ہر ایک کے سو کوڑے لگاؤ۔" (سورۃ النور: ۲)

چونکہ آیت میں " اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ " کے الفاظ عام ہیں جو ہر زانی کو شامل ہیں ۔ خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن ، اس لئے اگر سنّت سے زانی محصن کے لئے سزائے رجم تجویز کی جائے تو کتاب اللہ کا نسخ لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ۔

یہ شبہ اس لئے غلط ہے کہ یہ آیت باجماع امت غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مخصوص ہے ۔ شادی شدہ زانیوں کا حکم اس آیت میں بیان نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ اگر یہ آیت ہر زانی کو شامل ہوتی تو ناممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک امت کا تعامل و توارث اس کے خلاف ہوتا ۔ اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین میں سے ایک بھی عموم سے استدلال کرتے ہوئے زانی محصن کے رجم کی نفی نہ کرتا ۔ پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک امت کا تعامل و توارث زانی محصن کے رجم پر چلا آرہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آیت زانی غیر محصن کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ورنہ کیا عقل اس کو باور کرتی ہے کہ اس آیت کے عموم کو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھیں نہ صحابہ کرام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نہ تابعینؒ ۔ نہ ائمہ مجتہدینؒ اور نہ گذشتہ صدیوں کا کوئی عالم وفقیہ ۔ آیت کا مطلب اگر سمجھیں تو دورِ جدید کے ملاحدہ و زنادقہ سمجھیں ـــ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔

مناسب ہوگا کہ میں اس نکتہ پر منکرینِ حدیث کے نفسِ ناطقہ اور ملاحدہ کے سب سے بڑے وکیل عمر احمد عثمانی کا حوالہ پیش کردوں ۔ موصوف اپنی کتاب " فقہ القرآن " میں لکھتے ہیں:

> " دوسری اہم بات جو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے ۔ وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر آج تک عام مسلمانوں کا جو تعامل

رہا ہے۔ اسلام نے اسے بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم نے اس متوارث تعامل کو سبیل المومنین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔ (۴/۱۱۵)	"اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہو چکی۔ اور مومنین (مسلمانوں) کے طریقہ کے خلاف کسی دوسرے طریقہ کی اتباع کرے تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر رہا ہے (یعنی جن کی راہ کی

وہ پیروی کر رہا ہے ہم اسے ان ہی میں شامل کر دیں گے۔) اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔"

اس آیت کریمہ میں سبیل المومنین کی پیروی کرنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہدایت نبوی کے خلاف نہ ہو[1]۔ اسی لئے ہم نے ابتدا میں عہد نبوی سے لے کر آج تک مسلمانوں کے تعامل کی شرط لگائی تھی۔ قبر پرستی، مزارات پر عرس، قوالی، وجد و حال، شب برأت کا چراغاں اور آتش بازی وغیرہ قسم کی خرافات بھی مسلمانوں کی اکثریت صدیوں سے کرتی چلی آرہی ہے۔ مگر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان خرافات کا کوئی

---

[1] موصوف قرآن کریم کے مدعا کو پانے سے قاصر رہے ہیں اس لئے انہوں نے "بشرطیکہ وہ ہدایت نبوی کے خلاف نہ ہو" کا پیوند لگانا ضروری سمجھا، قرآن کریم جس نکتہ پر زور دینا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ" کی وعید تو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ہے، لیکن کسی شخص کی روش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہونا یا نہ ہونا اس کا معیار "سبیل المومنین" ہے یعنی جو شخص اہل ایمان کے راستہ (باقی صفحۂ آئندہ پر)

سراغ نہیں ملتا۔ لہٰذا اسے سبیل المومنین نہیں کہا جا سکتا۔

ہمیں بتانا یہ ہے کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک جو مسلمانوں کا متوارث تعامل چلا آتا ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے وہ حجت شرعی ہے۔ اور اس کی پیروی لازم ہے۔ اس کی پیروی نہ کرنے پر جہنم کی اخروی وعید کے علاوہ قرآن کریم نے یہ وعید بھی فرمادی ہے کہ ہم ایسے لوگوں کو انہی لوگوں میں شامل کر دیں گے جن کی پیروی وہ کر رہے ہیں۔ یعنی مثلاً اگر وہ سبیل یہود کی پیروی کر رہے ہیں تو وہ بھی یہودی ہی بن جائیں گے۔ اگر وہ عیسائیوں کی راہ کی پیروی کر رہے ہیں تو وہ بالآخر عیسائی ہی ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ اگر وہ اشتراکیت اور کمیونزم کی پیروی کر رہے ہیں تو کمیونسٹ ہی ہو جائیں گے[1] اعاذنا اللہ منھا

لہٰذا سبیل المؤمنین کا حجت شرعیہ ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔

جب کسی مسئلہ کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ عہدِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لیکر آج تک سبیل المؤمنین اس نہج پر چلی آرہی ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ وہ قرآن کے عین مطابق مانی جائے گی۔"

(فقہ القرآن جلد اوّل ص۱۴۴ تا ص۱۴۶)

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور سزائے جہنم کا مستحق ہے، خواہ وہ بزعم خود قرآن وسنت ہی سے تمسک کرتا ہو۔ اس لئے کہ سبیل المؤمنین کبھی ہدایت نبویؐ کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔

[1] یہ "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی" کے قرآنی الفاظ کی تفسیر ہو رہی ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو لوگ رجم کے مسئلہ میں "سبیل المؤمنین" کو چھوڑ کر خارجیوں کے سے شبہات کریں گے ان کا شمار بھی خارجیوں میں ہوگا۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: "یمرقون من الدین" (وہ دین سے نکل جائیں گے) کا مصداق ہوں گے۔

زانی محصن کا مسئلہ بھی ـــــ نماز روزہ کی طرح ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں میں تواتر کے ساتھ متوارث چلا آتا ہے۔ اس "سبیل المومنین" کو قرآن کریم کے خلاف کہہ کر ٹھکرانا اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جو شقاق رسول اور اتباع غیر سبیل المومنین کا مریض ہو۔ جو "نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی" کی وادیوں میں بھٹک رہا ہو۔ اور جس کے نامۂ عمل پر "نُصْلِہٖ جَهَنَّمَ" کی ازلی مہر لگی ہوئی ہو، ورنہ کوئی ایسا شخص جس کے دل میں ایمان بالقرآن کی ادنیٰ رمق بھی باقی ہو وہ بقائمی عقل و ایمان، سبیل المومنین کے اس خدائی پیمانے کو توڑنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتا۔

تیسرا شبہ: ایک شبہ امام رازیؒ نے خوارج سے یہ نقل کیا ہے کہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے شادی شدہ لونڈیوں کی سزائے زنا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ "پس جب وہ قید نکاح میں آجائیں پس اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر اس سزا کی نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کو دی جاتی ہے۔"

چونکہ شادی شدہ لونڈیوں کو بالاتفاق پچاس کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا کہ آزاد عورتوں کی سزا کوڑے ہے۔ نیز چونکہ رجم کی سزا کو نصف کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے یہاں آزاد عورتوں کی سزا رجم مراد نہیں ہو سکتی۔ خوارج کے اس استدلال کو ـــــ جس کا جواب علمائے امت بہت پہلے دے چکے ہیں ـــــ دور جدید کے ملاحدہ بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ عمر احمد عثمانی، ملاحدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس بات کی سب سے بڑی دلیل کہ تورات کا وہ حکم منسوخ ہو چکا ہے[1]، قرآن کریم کا وہ حکم ہے جو باندیوں کے سلسلہ میں سورۂ النساء میں وارد ہوا ہے کہ اگر وہ بے حیائی (زنا) کی مرتکب ہوں تو انہیں سزا دی جائے گی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔"

---

[1] موصوف کی اس خوش فہمی کا جواب آگے آئے گا۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (۴/۲۵) تو جب وہ (باندیاں) شادی شدہ ہوں پھر اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں (یعنی زنا کی مرتکب ہوں) تو انہیں اس سزا کی آدھی سزا دی جائے گی جو عام شادی شدہ (آزاد) عورتوں کو دی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ جو سزا آزاد شادی شدہ عورتوں کو دی جاتی ہے، اس سے نصف سزا شادی شدہ باندیوں کو دی جائے گی۔ واضح رہے کہ ہمارے فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر شادی شدہ آزاد مسلمان عورتوں کو رجم (سنگساری) کی سزا دی جاتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ سنگساری کی سزا کی تنصیف (آدھا کرنا) ممکن نہیں۔ اسے آدھا اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کہ شادی شدہ عورتوں کو سو کوڑے مارنا تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ ہمارے تمام فقہاء اس پر بھی متفق ہیں کہ باندیوں کو صرف پچاس کوڑے (سو کوڑوں کا نصف) مارے جائیں گے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ کوڑوں کی سزا تمام فقہاؤں کے نزدیک شادی شدہ عورتوں کی ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی سزا سنگسار کر دینا ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ کا اس موقعہ پر "مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ" فرمانا سراسر غلط ہو جاتا ہے۔ پھر تو حق تعالیٰ کو "مَا عَلَى الْاَبْكَارِ" (جو سزا غیر شادی شدہ کنواریوں کو دی جاتی ہے) فرمانا چاہئے تھا۔ (ماہنامہ فاران کراچی دسمبر ۱۹۸۰ ص ۲۳)

اس شبہ کا منشا یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں "اَلْمُحْصَنَات" کے معنیٰ شادی شدہ (آزاد) عورتوں کے سمجھ لئے گئے ہیں، حالانکہ یہاں "محصنات" سے بالاجماع غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں۔

آیت کریمہ کا مدعا سمجھنے کے لئے اس امر کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ آزاد عورت اگر غیر شادی شدہ ہو تو ارتکاب زنا کی صورت میں اسے سو کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ لیکن شادی شدہ ہونے کے بعد اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور اس پر رجم کی سزا جاری کی جاتی ہے ۔ جبکہ باندی کا حکم اس سے مختلف ہے ۔ وہ اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو آزاد (غیر شادی شدہ) عورت کی بہ نسبت آدھی سزا دی جاتی ہے ۔ یعنی پچاس کوڑے ۔ لیکن شادی شدہ ہو جانے کے بعد بھی اس کی سزا میں کوئی مزید اضافہ نہیں کیا جاتا ۔ بلکہ اس کی وہی سابقہ سزا ___ پچاس کوڑے ___ بحال رہتی ہے ۔ پس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ باندیاں جب شادی شدہ ہو کر فاحشہ (زنا) کی مرتکب ہوں تو جس طرح شادی شدہ ہونے سے پہلے ان کو غیر شادی شدہ آزاد عورتوں سے آدھی سزا دی جاتی تھی ۔ اب بھی ان پر وہی سزا جاری ہوگی ۔ اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا ۔ پس قرآن کریم کا نہ تو یہ مقصد ہے کہ باندیاں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کو کوئی سزا نہ دی جائے اور نہ یہ مقصد ہے کہ جب وہ شادی شدہ ہو جائیں تو ان کو شادی شدہ آزاد عورتوں سے آدھی سزا دی جائے ۔ بلکہ قرآن کریم کا مقصد باندیوں کی شادی سے پہلے اور شادی سے بعد کی حالت میں یکسانیت کا بیان کرنا ہے ۔ گویا آیت کریمہ میں باندیوں کی شادی کے بعد کی حالت کو شادی سے پہلے کی حالت کے مماثل قرار دیکر ان کا تقابل آزاد غیر شادی شدہ کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ کہ جس طرح شادی سے پہلے ان کو غیر شادی شدہ عورتوں سے آدھی سزا دی جاتی تھی ۔ اسی طرح شادی کے بعد بھی وہی سزا دی جائے گی ۔ اس لئے فرمایا : " پھر جب وہ قید نکاح میں آجائیں تو اگر بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر (اس حالت میں بھی وہی سزا جاری ہوگی ۔ جو نکاح میں آنے سے پہلے جاری ہوتی ۔ یعنی پچاس کوڑے ، جو) آدھی سزا ہے اس سزا کی نسبت جو آزاد (غیر شادی شدہ) عورتوں پر جاری کی جاتی ہے "

رہا عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ اگر " المحصنات " سے مراد یہاں غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں تو :

> " حق تعالیٰ کا اس موقعہ پر " مَا عَلَى الْمُحْصَنَات " فرمانا سراسر غلط ہو جاتا ہے ۔ پھر تو حق تعالیٰ کو " مَا عَلَى الابکار " (جو سزا غیر شادی شدہ کنواریوں کو دی جاتی ہے) فرمانا چاہیئے تھا "

قارئین کو موصوف کا یہ فقرہ پڑھ کر ان کی فہم و دانش پر تعجب ہوا ہوگا۔ لیکن مجھے ذرا بھی تعجب نہیں۔ کیونکہ سُنّۃ اللہ یہ ہے کہ ملحدین و مارقین اور اہل بدعت کو سب سے پہلے کتاب اللہ کے فہم سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔ حافظ سیوطیؒ "الاتقان" میں لکھتے ہیں:

قال فی البرھان۔ اعلم انہٗ لا یحصل للناظر فہم معانی الوحی۔ ولا یظھر لہ اسرارہ وفی قلبہ بدعۃ۔ او کبر۔ او ھوی۔ او حب الدنیا۔ او ھو مصر علی ذنب۔ او غیر متحقق بالایمان۔ او ضعیف التحقیق۔ او یعتمد علی قول مفسر لیس عندہٗ علم۔ او راجع الی معقولہ۔ وھذہ کلھا حجب و موانع۔ بعضھا اکد من بعض۔	"علامہ زرکشی کی برہان میں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو معانیٔ وحی کا فہم حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس پر اس کے اسرار کھلتے ہیں جبکہ اس کے دل میں بدعت ہو۔ یا کبر ہو۔ یا خود رائی ہو۔ یا دنیا کی محبت ہو۔ یا وہ کسی گناہ پر مصر ہو۔ یا ایمان سے متصف نہ ہو۔ یا اس کی تحقیق کمزور ہو۔ یا کسی ایسے مفسر پر اعتماد کرے جس کے پاس علم صحیح نہ ہو۔ یا اپنے معقولات کی طرف رجوع کرے۔ یہ تمام چیزیں فہم کتاب اللہ سے مانع اور حجاب ہیں۔ بعض زیادہ شدید ہیں بنسبت بعض کے۔
قلتُ: وفی ھذا المعنی قولہ تعالیٰ: "سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ"۔ قال سفیان بن عُیینۃ یقول انزع عنھم فھم القرآن۔ (ص ۱۸۱/۲ج)	میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کا ارشادِ گرامی: "عنقریب میں پھیر دونگا اپنی آیات سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق"۔ اسی معنیٰ میں ہے۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں ایسے لوگوں سے فہم قرآن سلب کر لیتا ہوں۔"

عثمانی صاحب کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم کی دولت سے نوازا ہوتا تو وہ اس بات پر غور کرتے کہ صحابہ کرامؓ سے لیکر علمائے ربانیین تک کسی کو بھی "مَا عَلَی الْمُحْصَنَاتِ" کا مفہوم سمجھنے میں کبھی کوئی الجھن پیش نہیں آئی تو آپ کا اس لفظ کو ــــ نعوذ باللہ ــــ غلط کہنا اور اس کی جگہ " مَا علی الابکار " کے لفظ کا خدا تعالیٰ کو لقمہ دینا صریح کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

جن لوگوں کا ذوقِ عربیت مسٹر پرویز یا قادیانیوں جیسا ہو وہ تو خیر قرآن کے لفظ "المحصنات" کی معنویت سمجھنے سے معذور رہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عمر احمد عثمانی ایسا شخص ــــ جس نے عربی مدارس میں الٹا سیدھا پڑھا کچھ نہ کچھ پڑھا ضرور ہے۔ وہ بھی " ما علی المحصنات " اور "ما علی الابکار" کے درمیان فرق کرنے سے معذور ہے۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ قرآن کریم خشک قسم کے قانونی الفاظ میں احکام بیان نہیں کرتا۔ بلکہ لطیف اشارات میں ان کے اسباب و علل اور اغراض و مقاصد کی طرف بھی راہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم نے یہاں " فَاِذَا اُحْصِنَّ " اور " مَا علی المحصنات " کے الفاظ میں اس حکمت کی طرف بلیغ اشارہ فرمایا ہے، جو زانیوں کی سزا کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ ان کا " احصان " کے حدود سے تجاوز کرنا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ " احصان " کے معنی حفاظت کے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے فاحشۂ زنا سے حفاظت کے لئے آدمی میں متعدد اسباب پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں : ایک " احصان " آدمی کا وہ جذبۂ عفت و پاکدامنی ہے۔ جو فطرۃً اس میں ودیعت رکھا گیا اور جو اسے گندگی کی آلودگی سے بچاتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے "احصان" کا لفظ عفت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔

دوسرا قوی ترین ذریعۂ حفاظت آدمی کی آزادی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف وہ اپنی شرافت کو فواحش کی گندگی سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلکہ اس کے والدین۔ اس کے عزیز و اقارب اور اسلامی معاشرہ بھی اس کے لئے ذریعۂ حفاظت ہے۔ چنانچہ یہ تمام لوگ اس کے دامنِ عفت پر گندگی کے کسی دھبے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اس لئے "احصان"

کے ایک معنیٰ آزادی کے بھی ہیں ۔ اور " مَا عَلَی الْمُحْصَنَاتِ " میں یہی معنیٰ مراد ہیں، اور چونکہ باندیوں میں آزادی کا یہ وصف، عزت نفس کی یہ بلندی اور والدین اور معاشرہ کی طرف سے ان کی حفاظت کا سامان نہیں ہوتا ۔ اس لئے انہیں " المحصنات " کے مقابل ذکر کیا گیا ہے۔

آدمی کی عفت و عصمت کا تیسرا ذریعہ نکاح ہے ۔ اور پہلے دونوں ذرائع کے ساتھ ملکر یہ " احصان " کا مکمل نصاب بن جاتا ہے ۔ اس لئے " احصان " کے معنیٰ قید نکاح میں آنے کے بھی ہیں ۔ جس کے بعد جنسی خواہش کے غلط استعمال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ باندیاں اگر شادی شدہ ہو جائیں تو اگرچہ " احصان " کا یہ اطلاق ان پر بھی ہوگا ۔ لیکن چونکہ وہ اپنے آقاؤں کی خدمت میں مشغول رہتی ہیں ۔ انہیں بازاروں میں آمد و رفت کی فراغت پیش آتی ہے ۔ اور ان کو عزت و عفت کی حفاظت کے فطری ذرائع بھی اس قدر میسّر نہیں جو آزاد غیر شادی شدہ عورتوں کو میسّر ہیں ۔ اس لئے ان کے شادی شدہ ہونے کے باوجود اُن کا " احصان " ناقص رہتا ہے ۔ یہاں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری شریعت نے زنا کی تین سزائیں الگ الگ رکھی ہیں ۔ یعنی :

۱ ۔ زنا کا مرتکب غلام یا باندی ہو تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

۲ ۔ زنا کا مرتکب آزاد مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔

۳ ۔ زنا کا مرتکب آزاد شادی شدہ مرد یا عورت ہو تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا۔

یہ تینوں سزائیں صفت " احصان " کی قوت و ضعف کے فطری پیمانے سے ناپ تول کر تجویز کی گئی ہیں۔

چونکہ شادی شدہ آزاد مرد و عورت میں " احصان " کی صفت بہمہ وجوہ مکمل ہوتی ہے ۔ جو لوگ اس مکمل حفاظت کو توڑ کر فاحشۂ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں وہ گویا حدِ انسانیت سے یکسر خارج ہو جاتے ہیں ۔ ان کیلئے سب سے سخت ترین سزا تجویز کرنا ہی پیمانۂ فطرت تھا۔

اس قسم کے لوگوں کا اسلامی بلکہ انسانی معاشرہ میں پایا جانا انسانیت کے ننگ و عار کا موجب ہے، اور عزت و ناموس اور " احصان " کے لئے قاتلوں کا معاملہ انسانی جان کے قاتلوں سے بھی زیادہ سنگین اور ہولناک ہے۔ اس لئے ان کے لئے سزائے موت بصورت سنگسار تجویز کی گئی۔

دوسرے درجہ میں ان لوگوں کا جرم ہے جو عاقل ہیں، بالغ ہیں، آزاد ہیں۔ ان میں احصان کی صفت دو وجہ سے پائی جاتی ہے۔ لیکن شادی شدہ نہ ہونے کی وجہ سے " احصان " کی تیسری اور آخری کڑی ان میں نہیں پائی جاتی۔ ہر چند کہ ان کا جرم بھی بہت ہی سنگین ہے۔ اور فطرت صحیحہ اسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ لیکن چونکہ وہ شادی شدہ نہیں اور احصان و حفاظت کا نصاب ان میں مکمل نہیں۔ اس لئے ان کے لئے یہ تجویز کیا گیا کہ ان کو جان سے تو ختم نہ کیا جائے۔ البتہ ایسی سزا دی جائے جو اُن کے لئے بھی جرم سے باز رکھنے والی ہو۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی موجب عبرت ہو۔ چنانچہ ان کے لئے سو کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی۔

تیسرے درجہ میں ان غلام باندیوں کا جرم ہے۔ جو غلام ہونے کی وجہ سے نہ صرف عزت و شرافت سے بلکہ بہت سے انسانی حقوق سے بھی محروم ہیں۔ اور شادی شدہ ہونے کے باوجود ان میں " احصان " کی صفت غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں سے بھی ناقص ہے۔ اس لئے ان کی سزا ان سے بھی نصف رکھی گئی۔

یہ ہے وہ عظیم علم جو قرآن کریم کے " ما علی المحصنات " کے مختصر سے لفظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اب اہل فہم فیصلہ فرمائیں کہ اس لفظ کو ہٹا کر اگر اس کی جگہ عمر احمد عثمانی کا لفظ " ما علی الابکار " جڑ دیا جائے تو کیا ریشم میں ٹاٹ کا پیوند نہ ہوگا۔ اور اس ایک لفظ کے بدل دینے سے اس آیت کریمہ کی ساری بلاغت غارت ہو کر نہ رہ جائے گی؟ بزرگوں نے تو یہ مشورہ دیا تھا کہ اہل دل کی بات نہ سمجھو تو اپنے فہم کا قصور جانو!

سہ چوں نشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است

سخن شناس نہ دلبرا! خطا اینجا است

مگر افسوس ہے کہ ہمارے عثمانی صاحب ملاحدہ کی تقلید میں اتنے آگے نکل گئے کہ خدا تعالیٰ کو بھی مشورے دینے لگے کہ آپ کا " مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ " فرمانا غلط ہے۔ اس کی جگہ " ما علی الابکار" کا لفظ رکھیے۔ نعوذ باللہ من فتنۃ الصدر۔

چوتھا شبہ: اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ زانی محصن کا رجم آنحضرت صلی اللہ وسلم کی سنت متواترہ، خلفائے راشدینؓ کے متواتر عمل اور امت اسلامیہ کے توارث و تعامل سے ثابت ہے۔ لیکن منکرین حدیث کے سرگروہ مسٹر غلام احمد پرویز ــــ جن کے نزدیک پورا دین ہی عجمی سازش ہے ــــ اس تواتر کا انکار کرتے ہوئے پوری ڈھٹائی سے لکھتے ہیں:

"قرآن کریم میں زنا کی سزا رجم (سنگساری) کہیں نہیں آئی۔ نہ شادی شدہ کے لئے نہ غیر شادی شدہ کے لئے۔ یہ سزا یہودیوں کے ہاں رائج تھی لیکن قرآن نے اسے تجویز نہیں کیا۔ ہمارے ہاں یہ سزا بعد کی وضع کردہ ہے۔ اور اسے منسوب کیا جاتا ہے حضور رسالت مآبؐ کی ذات گرامی کی طرف۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ (معاذ اللہ) قرآن کریم کے احکام کے خلاف بھی فیصلے دیا کرتے تھے۔"

(قرآنی فیصلے حصہ دوم ص۱۳۵)

جہالت اور ڈھٹائی کی اس حد کو عبور کر لینا تو ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ آدمی آنکھیں بند کر کے آفتاب نصف النہار کا بھی انکار کر ڈالے، اور دین کے متواترات کو بھی "بعد کی پیداوار" کہہ کر ٹھکرا دے۔ اس لئے ہمارے عمر احمد عثمانی صاحب اس سے تو انکار نہیں کر سکے کہ رجم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بلاشک و شبہ ثابت ہے۔ البتہ انہوں نے ــــ مسٹر محمد علی قادیانی کی تقلید میں ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ سے انحراف کے لئے یہ حیلہ تراشا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رجم کیا تھا وہ وحی الٰہی کی روشنی میں نہیں۔ بلکہ شریعت یہود کی تقلید میں کیا تھا۔

چنانچہ عثمانی صاحب یہودیوں کے واقعۂ زنا کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تورات کا یہ حکم معلوم ہوجانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا، اور حضرت ماعز اسلمی اور ایک خاتون کو، جن کا تعلق قبیلہ بنو غامد سے تھا، آپ نے جرم زنا کے اقرار پر سنگسار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ روایات میں چند اور واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ روایات انہی دو حضرات سے تعلق رکھتی ہوں[1]۔ اور ممکن ہے کہ ان کا تعلق دوسرے حضرات سے ہو۔ بہرحال یہ بات تاریخ و روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے اس حکم پر عمل فرمایا ہے . . . ."

(فاران کراچی ص۲۰)

یہاں دو بحثیں ہیں۔ ایک یہ کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سزائے رجم جاری کرنا شریعت یہود کی پیروی میں تھا؟

جہاں تک یہودیوں کے واقعہ کا ——— تعلق ہے وہاں تو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں پر شریعتِ تورات جاری فرمائی۔ لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک قطعی ناروا تہمت ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں پر بھی سنگساری ایسی سنگین اور شدید ترین سزا محض شریعت یہود کی پیروی میں جاری فرمادی ہوگی۔ اور پھر ایک آدھ واقعہ میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جتنے واقعے بھی ایسے زنا کے پیش آئے جن میں مجرم شادی شدہ تھا۔ آپؐ عمر بھر یہی سزا جاری فرماتے رہے۔ عثمانی صاحب ایک سنّتِ ثابتہ کو ٹالنے کے لئے حیلہ تراشی اور افسانہ طرازی پر مجبور ہیں۔ اور ہمیں ان کی مجبوری کا قرار واقعی احساس ہے۔ مگر انہیں مسٹر محمد علی قادیانی کی تقلید کرتے ہوئے ——— سو بار سوچنا چاہیئے تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر کتنا سنگین الزام عائد کر رہے ہیں۔ جس سے خود ان کا ضمیر بھی بوجھل ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے لکھتے ہیں:

"اور یہ بات کسی حیرت و تعجب کا باعث نہیں۔ کیونکہ آپ کو قرآن کریم کی

---

[1] جی نہیں! انہیں دو واقعات سے ان کا تعلق نہیں، بلکہ دیگر متعدد واقعات سے ہے۔

یہ ہدایت تھی کہ آپ انبیاء سابقین کی ہدایت کی پیروی فرمائیں ۔

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" پارہ ۷/۹

(یہ وہ حضرات (انبیاء) ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی تھی آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی فرمائیے) چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک قرآن کریم میں کسی معاملہ کے متعلق کوئی ہدایت نازل نہ ہوئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ شریعتوں کی پیروی فرمایا کرتے تھے ۔ اس لئے اگر رجم کے مسئلہ میں بھی آپ نے تورات کے حکم کی پیروی فرمائی ہے تو کوئی عجیب بات نہیں ۔" (ص۲)

عثمانی صاحب کے اس انصاف و دانش کی بھی داد دیجئے کہ وہ رجم کے مسئلہ میں "فقہاء کے اتفاق" کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ تمام فقہاء پر کتاب اللہ کو تبدیل کرنے کی تہمت دھرتے ہیں ۔ اور انہیں گردن زدنی تصور کرتے ہیں ۔ لیکن یہاں اپنے استدلال کے لئے انہیں "فقہاء کا اتفاق" یاد آجاتا ہے ۔ اور وہ " فقہاء کا اس پر اتفاق ہے " کہنے سے ذرا نہیں شرماتے ۔ خود غرضی اور مطلب پرستی کی کیسی خوبصورت مثال ہے ____________ ؟

جناب عثمانی صاحب کی خدمت میں گذارش ہے کہ فقہاء کا اتفاق سر آنکھوں پر ۔ اور قرآن کریم کی آیت " فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ " بھی بالکل حق ۔ لیکن آپ کی بحث یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرائع سابقہ پر عمل کرنا جائز تھا یا نہیں ، کہ آپ کو اس آیت کریمہ اور " فقہاء کے اتفاق " سے استدلال کرنے کی ضرورت پیش آئے ، آپ کی بحث تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات طیبہ میں رجم کے مسئلہ میں وحی الٰہی کی نہیں بلکہ شریعت تورات کی تقلید فرمائی ۔ ایک لمحہ کے لئے سوچئے کہ آنجناب کا دعویٰ کتنا عجیب اور ہولناک ہے ۔ اور لطف یہ کہ یہ جناب کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے ۔ اس کی کوئی دلیل اس کے سوا نہیں کہ مسٹر محمد علی قادیانی نے ایسا لکھا ہے ۔ کیا بغیر قطعی دلیل کے ایسا ہولناک دعویٰ کرنا (اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں) کسی عاقل کا کام ہو سکتا ہے ؟

الغرض یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت یہود کے ماتحت مسلمانوں کو رجم

فرماتے رہے قطعاً بے بنیاد دعویٰ ہے۔ اور اس کے خلاف قوی دلائل موجود ہیں۔

۱۔ یہودیوں کا جو مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اس میں آپ نے ان پر رجم کی سزا محض اس لئے جاری نہیں فرمائی کہ یہ تورات کا حکم ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے اس حکم کی تصدیق فرمائی۔ اور اسے "حکم اللہ" فرمایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (دیکھئے سورۃ المائدہ آیات ۴۰ ومابعد)

اور اس اصول پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب شرائع سابقہ کا حوالہ دیں اور ان کی تردید نہ کریں تو وہ ہمارے حق میں بھی تشریع ہے، قرآن کریم کی آیت میں اس حکم کی تردید نہیں کی گئی۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نسخ کا اعلان فرمایا۔ اس لئے یہ حکم صرف تورات کا نہ رہا۔ بلکہ قرآن کریم کی تصدیق کے بعد یہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا حکم ہوا۔ اس لئے یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض تورات کی پیروی میں مسلمانوں پر رجم کی سزا جاری فرماتے تھے۔ حقائق کی تکذیب ہے۔

۲۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سزائے رجم پر صرف عمل ہی نہیں فرمایا، بلکہ اس کو مستقل قانون شرعی کی حیثیت سے قولاً بھی ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ متعدد حضرات صحابہؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے نقل کر چکا ہوں۔

لا یحل دم امرءٍ مسلم الّا باحدیٰ ثلاث، رجل زنیٰ بعد احصانہ فعلیہ الرجم، او قتل عمداً فعلیہ القود، او ارتد بعد اسلامہ فعلیہ القتل۔	"کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں مگر تین میں سے کسی ایک وجہ سے۔ ایک وہ شخص جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو تو اس پر رجم ہے۔ یا وہ شخص جس نے کسی کو عمداً قتل کیا ہو تو اس پر قصاص ہے۔ یا وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو تو اس پر قتل ہے۔"

کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے ایک اہم ترین قانون

بیان فرمائیں۔ اور پھر یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ آپؐ کے تمام ارشادات وحی الٰہی اور ہدایت ربانی کی پیروی میں نہیں تھے، بلکہ ـــــ معاذاللہ ـــــ محض شریعت یہود کی پیروی میں تھے۔

۳ ـ میں اوپر عرض کرچکا ہوں کہ تورات میں زانی کے لئے مطلقاً رجم کا حکم ہے۔ خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ ـــــ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے یہ بھی نقل کرچکا ہوں کہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے تورات کے حکم میں اس قدر ترمیم فرمائی کہ رجم کا حکم ـــــ جو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں متواتر چلا آتا تھا ـــــ اس کو زانی محصن کے ساتھ مخصوص کردیا۔ اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے سو کوڑوں کی سزا تجویز فرمائی۔ اس تحقیق کو سامنے رکھنے کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سزائے رجم جاری کرنا شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ماتحت نہیں تھا۔ بلکہ شریعت یہود کی پیروی میں تھا خالص افتراء ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تورات کی پیروی کرتے تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کے رجم کا حکم فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تورات کے عام حکم کو مخصوص لوگوں کے لئے خاص کردینا اور باقیوں کے لئے الگ حکم تجویز فرمانا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپؐ نے حکمِ تورات میں یہ تصرف وحی الٰہی اور ہدایتِ ربانی سے کیا تھا۔

قرآن فہمی کا شاہکار:

الحاد و بے دردی کا چشمہ لگاکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کی راہنمائی سے بے نیاز ہوکر جو شخص قرآن کریم کے مطالعہ کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے کس قسم کی بوالعجبیاں سرزد ہوتی ہیں ان کا نمونہ ہمیں جناب عثمانی صاحب نے دکھایا ہے۔

انہوں نے سورۃ النساء کی آیت ۲۵ میں " ما علی المحصنات " سے شادی شدہ آزاد عورتیں مراد لیں۔ اور پھر سورۃ النور کی آیت ۲ میں " الزانیۃ والزانی " کو بھی اسی پر محمول کرکے یہ نتیجہ پیدا کرلیا کہ:

" قرآن کریم کی رُو سے زنا کا ارتکاب اگر شادی شدہ عورتوں اور مردوں سے ہو تو وہ قابل جُرم سزا ہے[1]، لیکن اگر غیر شادی شدہ افراد سے اس کا ارتکاب

---

[1] غالباً موصوف " قابلِ سزا جُرم " کہنا چاہتے ہیں۔

ہو جائے تو وہ قابل سزا جرم ہی نہیں کیونکہ قرآن کریم نے اس کی کوئی سزا نہیں بتائی ۔ ہم گو اس استدلال کی تائید نہیں کر سکتے ۔ البتہ ضرور کہیں گے کہ جو لوگ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زناکاروں کی سزا میں تفریق کے قائل ہیں ان کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے ۔ کیونکہ اس کا جواب آسان نہیں " (فاران ص۲۴)

جناب عثمانی صاحب کو یہ لا ینحل الجھن اسی لئے پیش آئی کہ انہوں نے " ما علی المحصنات " کا مفہوم " شادی شدہ عورتوں کی سزا " سمجھا ۔ چونکہ ان کے فہم و فکر کی خشتِ اول ہی کج تھی ۔ اس لئے انہوں نے قرآن کریم سے ایک ایسا نتیجہ اخذ کر لیا جو کسی عالم دین نے تو کجا ، غالباً خوارج اور نظام معتزلی نے بھی ـــــ اپنی تمام تر جہالت اور مروق عن الدین کے باوجود ـــــ کبھی اخذ نہ کیا ہوگا ۔ اگر آپ " ما علی المحصنات " سے غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کی سزا مراد لیتے (جو تمام امت کے نزدیک مراد ہے) تو آپ کو نہ کوئی اشکال پیش آتا ، نہ اس کے لئے کسی جواب دہی کی ضرورت ہوتی ، اور نہ آپ ایک ایسا غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں جس کے غلط ہونے پر خود آپ کا اپنا ضمیر بھی گواہ ہے ۔ اور جس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ " ہم اس استدلال کی تائید نہیں کر سکتے "

عمر احمد عثمانی صاحب کی یہ عبارت دوسروں کے علاوہ خود ان کے لئے بھی لائق صد عبرت ہے ۔ انہوں نے رجم کے مسئلہ میں عقل و فہم کے باوجود جان بوجھ کر (من بعد ما تبین له الهدیٰ) سبیل المومنین سے انحراف کیا تو ارشاد خداوندی " نولّه ما تولّٰی " کا ظہور ان کے حق میں یوں ہوا کہ ان کے نزدیک بغیر شادی کے زنا قابل سزا جرم ہی نہ رہا ۔ اگر اس مسخ فطرت کے بعد بھی ان کو اپنی غلطی کا احساس اور توبہ و انابت کی توفیق نہیں ہوتی تو " نصله جهنّم وساءت مصیراً " (اور ہم داخل کریں گے اس کو جہنم میں ۔ اور وہ بری ہے لوٹنے کی جگہ) کا انتظار کریں ۔

کاش ! قرآن کریم سے " فقہ القرآن " کشید کرنے سے پہلے انہوں نے ایک ہی بار یہ بات سوچ لی ہوتی کہ قرآن کا مطالعہ پہلی بار تنہا وہی نہیں کر رہے ۔ قرآن ان سے پہلے بھی

موجود تھا۔ اور وہ تمام اکابر، جن کا آپ " ہمارے فقہاء " کہکر مذاق اڑایا کرتے ہیں، انہوں نے اپنی ساری زندگیاں قرآن کریم کے تدبر میں کھپائی تھیں، وہ نہ سب کے سب جاہل اور احمق تھے، اور نہ عربیت سے ناآشنا تھے۔ آخر چودہ سو سال کے بعد قرآن کریم کے نام پر جو نکتے آپ تراش رہے ہیں ان اکابر کی دسترس سے باہر کیوں رہے ؟ چودہ سو سال کے تمام اکابر کو جاہل و احمق کہنے کے بجائے کیوں نہ فرض کر لیا جائے کہ غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کی طرح خود جناب کے فہم میں کجی ہے۔ اور یہ نحوست ہے سبیل المومنین کو چھوڑنے اور شقاق رسولؐ پر ضد باندھنے کی۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

ملاحدہ کی قدیم عادت ہے کہ وہ پہلے نصوص کا غلط مطلب گھڑتے ہیں۔ اور پھر صحابہؓ و تابعین اور سلف صالحین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی " روشِ الحاد " کے مطابق عمر احمد عثمانی صاحب نے پہلے آیت کے الفاظ " ما علی المحصنات " کا ایک غلط مفہوم فرض کر لیا۔ اور پھر ائمہ اسلاف پر طعنہ زنی کرنے لگے، چنانچہ لکھتے ہیں :

> " نصف ما علی المحصنات " کے لفظ نے بالکل واضح طور پر بتا دیا کہ شادی شدہ عورتوں کی سزا ایسی ہے جس کی تنصف (آدھا کر لینا) ممکن ہو۔ یہ بات کس قدر ناقابل فہم ہے کہ " ما علی المحصنات " (شادی شدہ عورتوں کی سزا) تو سنگسار کر دینا ہی ہے، لیکن چونکہ اسے آدھا کر لینا ممکن نہیں ہے اس لئے ہم اسے کوڑوں کی سزا میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ جس کا نصف کر لینا ممکن ہے " (ص ۲۴)

اس عبارت میں عثمانی صاحب کو دو مغالطے ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ " المحصنات " کی اصطلاح دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس لفظ کو کبھی " آزاد عورتوں " کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ (قرآن کی آیت " نصف ما علی المحصنات " میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے) اور کبھی اس کا اطلاق شادی شدہ عورتوں پر ہوتا ہے۔ (حضرات فقہاء جب کہتے ہیں کہ " محصن " کے جرمِ زنا کی سزا رجم ہے تو وہ اس لفظ کا یہی مفہوم مراد لیتے ہیں)

یہ جناب عثمانی صاحب کی ذہانت ہے کہ وہ دونوں جگہ اس لفظ کے ایک ہی معنی لے رہے ہیں ۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ وہ پہلے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ آیت کریمہ کے الفاظ " ما علی المحصنات " میں سزائے رجم کو بیان کیا گیا ہے ، اس لئے وہ فقہائے امت پر یہ طعن کرتے ہیں کہ :

" لیکن چونکہ اسے (رجم کو) آدھا کر لینا ممکن نہیں ہے : اس لئے ہم (یعنی حضرات فقہاء امت) اسے کوڑوں کی سزا میں تبدیل کر لیتے ہیں "

حالانکہ جس بات کو وہ حضرات فقہاء کی طرف منسوب کر رہے ہیں ۔ ایسی بات دنیا کا کوئی احمق سے احمق آدمی بھی نہیں کہہ سکتا ، حضرات فقہاء نے جو کچھ کہا ہے وہ تو یہ ہے کہ چونکہ رجم کی تنصیف (آدھا کر لینا) ممکن نہیں اس لئے " نصف ما علی المحصنات " میں سزائے رجم کا ذکر نہیں ۔ بلکہ کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے ۔ اور چونکہ کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ مرد و عورت کو دی جاتی ہے اس لئے قرآن کریم میں یہاں " المحصنات " کا لفظ " شادی شدہ عورتوں " کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا ۔ بلکہ اس سے مراد آزاد (غیر شادی شدہ) عورتیں ہیں ۔ گویا سزائے رجم کا نصف نہ ہو سکنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہاں " المحصنات " کا لفظ غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ یہ استدلال صحیح بھی ہے اور معقول بھی ۔ لیکن عثمانی صاحب نے مغالطہ آفرینی کے لئے اس کو جس طرح مسخ کر کے پیش کیا وہ قطعی غیر معقول بات ہے ، یہ کہنا مشکل ہے کہ عثمانی صاحب اتنے غبی ہیں کہ وہ ان دونوں باتوں کے درمیان فرق کرنے سے بھی معذور ہیں ، ہمارا احساس یہ ہے کہ وہ کج فکری کی بنا پر جان بوجھ کر اپنے آپ کو مغالطہ دے رہے ہیں ۔ اور پھر بڑے معصومانہ انداز میں لکھتے ہیں :

" یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ، اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو تبدیل کر لینے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہو سکتا ۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا اختیار نہ تھا (دیکھئے آیت ۱۵/۱۰) اس کا ماحصل تو یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ایک ناممکن العمل بات کا حکم دیدیا جس کی تصحیح ہمارے فقہائے کرام کو کرنی پڑی " (ص ۲۴)

یہ موصوف کی اسی کج فہمی کا شاخسانہ ہے کہ وہ کبھی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف "ایک ناممکن العمل بات کا حکم دینے" کی نسبت کرتے ہیں۔ اور کبھی حضرات فقہاء امت پر (جن کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو منشائے الٰہی، ہدایات نبویؐ اور تعامل صحابہؓ کے مطابق ٹھیک ٹھیک سمجھا ہے) قرآن کریم کی تصحیح کی تہمت لگاتے ہیں۔ گویا مشرق و مغرب کے تمام علماء و فقہاء قرناً بعد قرنٍ قرآن کریم کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالتے رہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی ایسا شخص جس کو قرآن کریم سے ذرا بھی مَس ہو اور دینِ اسلام سے ادنیٰ سا تعلق بھی ہو وہ اتنی دیدہ دلیری سے تمام فقہائے امت پر تہمت طرازی کی جرأت کس طرح کر سکتا ہے ؟ یہ گھٹیا ذہنیت ان ملاحدہ کی ہے جو پورے دین کو مشکوک اور پوری امت اسلامیہ کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ کاش ! عمر احمد عثمانی صاحب " نصف ما علی المحصنات " کا ایک خود تراشیدہ مفہوم نہ گھڑتے تو اسلاف امت پر زبان طعن دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

پانچواں شُبہ :

دوسری بحث یہ کہ آیا یہ حکم باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے ؟

عثمانی صاحب رجم سے بچنے کے لئے صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجم کے مسئلہ میں شریعت یہود کی پیروی کرتے تھے۔ بلکہ وہ اس سزا کو ٹالنے کے لئے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سزا بعد میں منسوخ کر دی گئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

> " اس کے بعد سورۃ النور کی آیت ۲۴/۲ ، جس کا حوالہ اُوپر دیا جا چکا ہے، نازل ہو گئی۔ اور وہ عمل جو اب تک تورات کے حکم کے مطابق ہوتا آ رہا تھا منسوخ ہو گیا۔"
>
> (ص۲۰)

عثمانی صاحب پہلے شخص نہیں ہیں جنہوں نے رجم کو ــــ بزعم خود ــــ تورات کا حکم قرار دیکر اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہو۔ بلکہ ان سے پہلے مسٹر محمد علی قادیانی وغیرہ مرحومین بھی یہی دعویٰ کر چکے ہیں عثمانی صاحب نے آنکھیں بند کر کے انہی کی تقلید کو کافی سمجھا۔ اور خود فکر و تعقل سے کام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ورنہ انہیں نظر آتا کہ ان کا یہ دعویٰ بھی قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ اگر یہ حکم منسوخ ہو گیا ہوتا

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین اس پر کبھی عمل نہ کرتے ۔ چنانچہ خود عثمانی صاحب لکھتے ہیں :۔

"قرآن کریم میں کسی امر کا حکم نازل ہو جانے کے بعد تورات کے حکم پر عمل کرنے کا نہ کوئی جواز ہو سکتا ہے ۔ اور نہ اس کا کوئی امکان ہے ۔"

اور یہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر سزائے رجم جاری فرمائی ۔ اور عہد نبوی کا ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی محصن پر رجم کے بجائے کوڑوں کی سزا جاری فرمائی ہو ۔ اس کے برعکس یہ ہوا کہ ایک شخص پر کوڑوں کی سزا جاری کر دی گئی ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محصن (شادی شدہ) ہے تو اس کے رجم کا حکم فرمایا ۔ (یہ حدیث ابو داؤد کے حوالے سے پہلے گذر چکی ہے) پس اگر رجم کا حکم منسوخ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم ایک واقعہ میں تو زانی محصن پر رجم کے بجائے کوڑوں کی سزا جاری فرماتے ؟ کیا نسخ کا دعویٰ کرنے والوں کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حکم منسوخ ہوا تھا ؟ اس سے بڑھ کر تعجب کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدۃ العمر ایک حکم جاری فرماتے ہیں اور اس کے خلاف کا حکم کرنا آپ سے پوری عمر میں ایک بار بھی ثابت نہیں ۔ لیکن مرجومین کا ٹولہ اس کو خلاف قرآن کہکر اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آیت نور کے نازل ہونے کے بعد (جس کو اپنی کور چشمی سے مرجومین ناسخ رجم سمجھتے ہیں) زانی محصن کی سزا کا کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا تھا ۔ اس لئے عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجم کے منسوخ ہونے کا اظہار نہیں فرما سکتے تھے تو کم از کم زبان مبارک سے تو آپ فرما سکتے تھے کہ ہم نے مدۃ العمر جو سزائے رجم جاری کی ہے وہ ـــــ نعوذ باللہ ـــــ وحی الٰہی سے نہیں تھی ۔ بلکہ تورات کی پیروی کی وجہ سے تھی ۔ اور اب تورات کا حکم سورۃ النور کی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے ۔ لہذا آئندہ زانی محصن کو رجم نہ کیا جائے ۔ اور یہ کہ ہم نے اپنے ارشادات میں زانی محصن کے رجم کا جو قانون ذکر کیا ہے خدا نے اب اس کو منسوخ کر دیا ہے ۔ لہذا ہمارے ان

ارشادات کو بھی کالعدم تصور کیا جائے ۔

حافظ سیوطیؒ الاتقان (۲: ۲۱) میں امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں :

قال الشافعی ۔ حیث وقع نسخ	" امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن
القرآن بالسنۃ فمعھا قرآن	کا نسخ سنت کے ساتھ ہوا ہے وہاں اس
عاضد لھا ۔ وحیث وقع نسخ	کی تائید میں قرآن بھی ضرور موجود ہوگا ۔
السنۃ بالقرآن فمعہ سنۃ	اور جہاں سنّت کا نسخ قرآن سے ہوا ہے
عاضدۃ لہ ۔ لتبین توافق	وہاں اس کی تائید میں سنّت بھی ضرور
القرآن بالسنۃ ۔	موجود ہوگی ۔ تاکہ قرآن و سنّت کی ایک
	دوسرے سے موافقت واضح ہو سکے "

لیکن ان مرحومین کی بدقسمتی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کمزور سے کمزور روایت بھی ایسی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ رجم کا حکم آیت النور سے منسوخ ہو چکا ہے ۔ پس جب رجم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا متواتر عمل مدۃ العمر رہا ۔ اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدین بھی اسی حکم پر تواتر و توارث کے طور پر عمل پیرا رہے تو آیت النور سزائے رجم کے معارض ہی نہیں ۔ تاکہ آیتِ نور سے رجم کے حکم کا منسوخ ہونا تصور کیا جائے ، اور عثمانی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ :

" قرآن کریم نے الزانیۃ والزانی کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ۔ جو ہر زناکار پر صادق ہیں ۔ ان میں مرد یا عورت ۔ آزاد یا غلام ۔ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ۔ جوان یا بوڑھے کی کوئی تفریق نہیں ہے ۔ جس نے بھی زنا کا ارتکاب ہوا اس کو یہی سزا دی جائے گی " (ص۲۱)

کیونکہ سورۃ النساء آیت ۲۵ کی رو سے غلام باندیاں (خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ) سورۃ النور آیت الزانیۃ والزانی کے تحت داخل نہیں ۔ بلکہ ان کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۲۵ میں آزاد عورتوں کی سزا سے نصف سزا تجویز کی گئی ہے ۔ اس لئے سورۃ النور کی آیت الزانیۃ والزانی کا حکم عام نہیں بلکہ مخصوص منہ البعض ہے ۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنّت متواترہ اور خلفائے راشدین کے عمل متواتر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت زانی محصن کو بھی شامل نہیں، اس لئے اس آیت الزانیۃ والزانی سے صرف وہ زناکار مراد ہو سکتے ہیں جو آزاد اور غیر محصن ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و عملاً بتایا کہ آزاد شادی شدہ مرد و عورت بھی اس آیت کے تحت داخل نہیں بلکہ ان کے حق میں:

او زنا بعد احصان فعلیہ الرجم۔ "یا زنا کرے بعد شادی شدہ ہونے کے، تو اس پر رجم ہوگا"

کا قانون وضع کیا گیا ہے۔ پس جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سورۃ النور کی آیت کا حکم بلاتفریق آزاد و غلام، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کو شامل ہے وہ خدا و رسول دونوں کی تکذیب کرتا ہے۔ الغرض آیت کا حکم سب زانیوں کو عام نہیں۔ جیسا کہ مرحومین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس میں صرف آزاد غیر شادی شدہ لوگوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ غلام اس آیت کے تحت داخل نہیں۔ بلکہ ان کا حکم الگ ہے۔ اسی طرح آزاد شادی شدہ بھی اس کے تحت نہیں۔ بلکہ ان کا حکم رجم ہے۔ اس لئے آیت کے عموم کا دعویٰ کر کے اس کو حکم رجم کے لئے ناسخ کہنا خدا و رسول پر صریح افترا ہے، جس سے ہر مؤمن کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

چھٹا شبہ:

احادیث کے ضمن میں صحیح بخاری (۲: ۱۰۰۶) کے حوالے سے یہ حدیث نقل کر چکا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا، ہاں! سائل نے پھر پوچھا کہ سورۃ النور سے پہلے یا بعد؟ فرمایا "لا ادری" (مجھے خبر نہیں)۔ عمر احمد عثمانی صاحب اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ جیسے پایہ کا صحابی بھی یہ بتانے سے قاصر ہے کہ سورۃ النور کے نازل ہونے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو سنگسار فرمایا تھا یا نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آپ نے سورۃ النور کے حکم نازل ہونے کے بعد کسی کو بھی سنگسار نہیں فرمایا۔ ورنہ حضرات صحابہ کو ضرور معلوم ہوتا" (ص۱۲)

اس عجیب وغریب منطق کی داد دیجئے کہ ایک قطعی ویقینی حکم کو منسوخ باور کرانے کے لئے کیسے کیسے مفروضے تراشے جا رہے ہیں :

الف : حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے چونکہ اس موقعہ پر " لا ادری " کہہ دیا تھا ۔ اس لئے عثمانی صاحب یہ مفروضہ قائم کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں سب کے سب صحابہ لاادریت کا شکار تھے ، میں پوچھتا ہوں کہ کسی مسئلہ میں کسی ایک فرد کے " لا ادری " کہنے سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کونسی عقل ومنطق کی رُو سے صحیح ہے ؟

ب : پھر عقلاء کا قاعدہ تو یہ ہے کہ " الیقین لایزول بالشک " یعنی شک سے یقین باطل نہیں ہوا کرتا ۔ اس لئے اگر دو نصوص کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون پہلے ہے ۔ اور کون بعد میں ؟ تو کسی کے بارے میں نسخ کا دعوی کرنا جائز نہیں ، مگر عثمانی صاحب کی الٹی منطق ہے کہ ایک صحابی کی لاعلمی پر نسخ کی بنیاد رکھ رہے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ کسی کی لاعلمی پر علم کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی ۔ جہل ہی کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے ۔ اس لئے یہاں نسخ کا دعوی کرنا جہل صریح کے سوا اور کیا ہے ؟

ج : اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ آیت نور کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو رجم نہیں فرمایا ــــــ جیسے کہ عثمانی صاحب مفروضہ تراش رہے ہیں ــــــ تب بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیت نور کے بعد زنا کا کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا ۔ اسی لئے آپؐ نے کسی کو رجم نہیں کیا ؟ یا یہ کہ زانی محصن کے زنا کا واقعہ تو پیش آیا تھا ۔ مگر آپؐ نے اس پر سزائے رجم جاری نہیں فرمائی ۔ بلکہ آیتِ نور پر عمل کرتے ہوئے اس پر سو کوڑوں کی سزا جاری کی ۔ اس آخر الذکر صورت میں سورۃ النور کی آیت کو واقعی رجم کے لئے ناسخ کہہ سکتے تھے ۔ لیکن ــــــ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ــــــ عثمانی صاحب ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے کہ آپؐ نے زانی محصن کو رجم نہ کیا ہو ۔ بلکہ اس پر سو کوڑوں کی سزا جاری فرمائی ہو ۔ ایسی صورت میں آیت النور سے رجم کی منسوخی کا دعوی کرنا عقل و دانش اور دین و دیانت کا ماتم ہے ۔ خدا کا دین ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اب تک ، توارث و تعامل کے ساتھ نقل ہوتا آیا ہے ۔ اسے محض ذہنی مفروضوں کے سہارے

مسخ کرنا عثمانی صاحب ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔

رجم سورۃ النور کے بعد :

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (۱۲ : ۱۰۰) میں اور علامہ عینیؒ عمدۃ القاری (۱۱ : ۱۵۰) میں لکھتے ہیں :

وقد قام الدليل على ان الرجم وقع بعد سورة النور. لان نزولها كان فى قصة الافك. واختلف هل كان سنة اربع او خمس او ست. والرجم كان بعد ذلك. فقد حضره ابوهريرة وانما اسلم سنة سبع.	"اس پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ رجم کا واقعہ سورۂ نور کے بعد ہوا. کیونکہ سورۂ نور کا نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں ہوا تھا۔ اور یہ واقعہ ۴ھ ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا۔ اور رجم کا واقعہ اس کے بعد ہوا۔ کیونکہ رجم کے موقعہ پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اور وہ اسلام ہی ۷ھ میں لائے ہیں۔"

× × × × ×

اور حافظؒ نے اس پر اتنا اضافہ کیا ہے :

وابن عباس انما جاء مع امه الى المدينة سنة تسع.	"نیز ابن عباسؓ اس موقعہ پر موجود تھے اور انہوں نے اپنی والدہ کے ساتھ ۹ھ میں مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔"

ان دونوں بزرگوں کی بات معقول تھی لیکن چونکہ یہ ہمارے عثمانی صاحب کے نظریہ کے خلاف تھی اس لئے وہ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس ضمن میں علامہ عینیؒ شارح بخاری کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ سورۃ النور واقعۂ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ واقعہ ۴ھ ۵ھ میں ہوا تھا۔ اور یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد بھی مجرموں کو رجم فرمایا ہے۔

کیونکہ رجم کے ایک واقعہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی شرکت ثابت ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں۔ لہذا ۷ھ کے بعد بھی رجم کرنا ثابت ہے۔ لیکن یہ دعویٰ قابل قبول نہیں۔" (ص ۲۲)

اور اس کی تردید میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہے کہ اول تو یہی مسلّم نہیں کہ قصۂ اِفک ۴ یا ۶ھ میں پیش آیا تھا۔ اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ حدِ زنا سے متعلق آیات بھی اسی موقع پر نازل ہوئی ہوں۔ "ہو سکتا ہے کہ حدِ زنا سے متعلق آیات ۷ھ کے بعد نازل ہوئی ہوں اور یہی بات قرینِ قیاس بھی ہے۔"

عثمانی صاحب اپنے اس موقف پر کہ آیت نور کے بعد رجم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کوئی واضح دلیل قائم کرنے سے قاصر ہیں وہ "ہو سکتا ہے۔ اور یہی بات قرینِ قیاس ہے" جیسے مفروضوں کے سہارے آیت نور کے نزول کو زیادہ سے زیادہ ۷ھ کے بعد تک مؤخر کر رہے ہیں۔ اگر ان کے ان تمام قیاسات اور مفروضوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی حافظ ابن حجرؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ کا استدلال اپنی جگہ قائم ہے۔ کیونکہ اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ رجم کے واقعات ۸ھ، ۹ھ اور ۱۰ھ میں پیش آئے۔ چنانچہ:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، جو ۷ھ میں اسلام لائے تھے۔ واقعہ رجم کے عینی شاہد ہیں، ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کے بعد پیش آیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ھ میں مدینہ طیبہ آئے تھے، وہ بھی حدیث رجم روایت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں پیش آیا ہوگا۔

رجم کا ایک واقعہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور وہ ۹ھ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لئے یہ واقعہ بھی ۹ھ یا ۱۰ھ ہی کا ہو سکتا ہے۔

اور اس امر کی قطعی دلیل کہ رجم کا حکم آیت نور سے منسوخ نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء راشدین کا رجم کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ چنانچہ خود عثمانی لکھتے ہیں:

"روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنے عہد میں بھی رجم [illegible]

کے حکم پر عمل فرمایا ہے (اگر وہ روایات صحیح ہوں۔ اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے[1])
اور حضرات خلفائے راشدین کو غلط فہمی یا اجتہادی غلطی اسی وقت ہو سکتی ہے،
جبکہ یہ حکم بہت بعد میں نازل ہوا ہو۔ اور ایسا کوئی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیات مبارکہ میں پیش نہ آیا ہو جس سے تورات کے حکم کا منسوخ ہونا ان حضرات
پر واضح نہ ہو سکا ہو۔" (ص ۲۲)

عثمانی کے اس فقرہ میں چند امور توجہ طلب ہیں :

اوّل : موصوف کو اس کا (طوعاً و کرہاً) اقرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم) نے رجم کے حکم پر عمل فرمایا تھا، کسی حکم پر حضرات خلفائے راشدین کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حکم نافذ العمل ہے۔ منسوخ نہیں۔

دوم : عثمانی صاحب کو خوش فہمی ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی نے غلط فہمی یا اجتہادی غلطی کی وجہ سے اس پر عمل کیا تھا۔ ورنہ ــ بقول اُن کے ــ یہ حکم منسوخ تھا۔ یہاں پہلا سوال تو یہ ہے کہ جس حکم کا منسوخ ہونا حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کو معلوم نہیں ہو سکا، اس کے منسوخ ہونے کا علم آنجناب کو کیسے ہو گیا؟ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ محض اپنی خواہش اور کج فکری سے ایک حکم کو منسوخ قرار دے دیا جائے۔ اور پھر کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعتِ یہود کی پیروی کرنے کا الزام لگایا جائے۔ اور کبھی حضرات خلفائے راشدین پر غلط کاری کی تہمت دھری جائے۔ کیا یہ ٹھیک وہی نظریہ نہیں جو خارجی پیش کیا کرتے تھے کہ علی (کرم اللہ وجہہٗ) قرآن کو نہیں سمجھے۔ ہم سمجھے ہیں۔ جن حضرات کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذری۔ جنہوں نے نزول وحی کے مشاہد کو آنکھوں سے دیکھا۔ اور جو ہر آیت کے بارے میں یہ بتا سکتے تھے کہ کب اتری۔ کہاں اتری اور کس کے حق میں اتری[2]۔ ان کے بارے میں

---

[1] ان روایات کے صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اور عثمانی صاحب نے آگے چل کر جو بحث کی ہے وہ بھی عنقریب قارئین کے سامنے آرہی ہے۔

[2] حافظ سیوطی نے الاتقان (۲ - ۱۸۷) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تو یہ باور کرایا جائے کہ وہ قرآن کو سمجھے نہیں تھے ۔ اور انہوں نے غلط فہمی کی وجہ سے قرآن کے خلاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نقل کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے :

سلونی عن کتاب اللہ فواللہِ	"مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں
ما من اٰیۃ الّا وانا اعلم	دریافت کرو۔ پس اللہ کی قسم! قرآن
ابلیل نزلت ام بنھار ام	کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے
فی سھل ام بجبل ۔	میں مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ رات کو نازل ہوئی
٭ ٭ ٭ ٭ ٭	تھی یا دن کو۔ اور میدان میں نازل ہوئی تھی یا پہاڑ پر"

ایک اور روایت میں ہے :

واللہ ما نزلت اٰیۃ الّا وقد	"اللہ کی قسم! جو آیت بھی نازل ہوئی
علمت فیم انزلت واین	اس کے بارے میں مجھے علم ہے کہ کس
انزلت ۔ انّ ربّی وھب لی	واقعہ سے متعلق نازل ہوئی۔ اور کہاں نازل
قلباً عقولاً ولساناً سئُولاً ۔	ہوئی۔ میرے رب نے مجھے بہت سمجھنے والا دل
٭ ٭ ٭ ٭ ٭	اور بہت سوال کرنے والی زبان بخشی ہے"

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے :

واللہ الذی لا الٰہ غیرہٗ ما	"اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی
نزلت اٰیۃ من کتاب اللہ	معبود نہیں ۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت
الّا وانا اعلم فیمن انزلت	ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے
واین انزلت ۔ ولو اعلم	میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ کس کے بارے
مکان احد اعلم بکتاب	میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی ،
اللہ منّی تنالہ المطایا	اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی کتاب اللہ
لاتیتہٗ ۔	کو مجھ سے زیادہ جاننے والا موجود ہے۔ اور

سواری وہاں تک پہنچ سکتی ہے تو میں اس کے پاس جا کر ضرور استفادہ کروں"

فیصلے کئے۔ لیکن چودہ سو سال بعد عمر احمد عثمانی اور ان کے ہم ذوق و ہم مشرب حضرات نے قرآن کو ٹھیک سمجھا۔ اور وہ چشم بد دور خلفائے راشدین رضؓ کی غلطیاں پکڑنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ علم و دانش نہیں۔ بلکہ غرور و پندار کا ہیضہ ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت عمر بن عبد العزیز تک جو خلفائے راشدین مسلسل غلط فیصلے کرتے رہے کیا جماعت صحابہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو انہیں ان غلط فیصلوں پر ٹوک سکتا۔ اور انہیں بتاتا کہ میاں! رجم کا حکم تو کبھی اسلام میں نازل ہوا ہی نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رجم کا حکم مدۃ العمر شریعت یہود کی پیروی میں فرماتے رہے تھے۔ اور اس حکم کو آیت النور نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک منسوخ حکم پر عمل کرتے ہوئے رجم ایسی سنگین سزا جاری کرنا بدترین جرم ہے۔ کیا پورے ذخیرۂ حدیث میں کوئی روایت دکھائی جا سکتی ہے کہ کسی صحابی نے زانی محصن کے رجم کو آیت النور سے منسوخ کہا ہو؟ اگر نہیں تو آج چودہ سو سال بعد اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا کیا تمام صحابہ کرام کی تجہیل و تضلیل کے مرادف نہیں؟

سوم: عثمانی صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر بھی مجبور ہو گئے ہیں جس کو میں بار بار دہرا چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں زانی محصن پر رجم کے بجائے سو کوڑوں کی سزا جاری کی گئی ہو۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسا ارشاد ہی مروی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ رجم کے جس حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدۃ العمر عمل فرمایا وہ آیت النور سے منسوخ ہو چکا ہے۔ پس جب کہ نسخ کی کوئی شہادت موجود نہیں تو محض ہوا و ہوس اور کجروی و کج فکری سے ایک ایسے حکم کے نسخ کا قائل ہونا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تمام امت کا تعامل و توارث چلا آتا ہو کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اگر بغیر ثبوت کے اس طرح کے دعوے ہانکنا کافی ہو سکتا ہے تو دین کی کسی بھی بات کے بارے میں یہی دعویٰ ہانکا جا سکتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا مگر کسی کو پتہ نہیں چلا۔ اس لئے خلفائے راشدین سے لیکر آج تک کے تمام مسلمان غلط فہمی میں مبتلا رہے۔

ظاھر ہے کہ ایسا نظریہ رکھنے والا مسلمان نہیں۔ زندیق کہلائے گا۔

حضرات خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم) کسی غلط فہمی یا غلط اجتہاد کی بنا پر سزائے رجم جاری نہیں فرماتے تھے ـــــ اور نہ فرما سکتے تھے ـــــ بلکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت رجم کے قائل تھے۔ جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے معلوم ہوتا ہے، مسند احمد (۱ - ۲۳) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں رجم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لا تخدعن عنہ فانہ حد من حدود اللہ تعالیٰ. الا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجم ورجمنا بعدہٗ ـ ولولا ان یقول قائلون زاد عمر فی کتاب اللہ عزوجل ما لیس منہ لکتبتہ فی ناحیۃ المصحف. شھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ـــــ وقال ھیثم مرۃً ـــــ وعبد الرحمٰن بن عوف. و فلان و فلان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد رجم ورجمنا بعدہ ـ الا وانہ سیکون من بعدکم قوم یکذبون بالرجم وبالدجال. وبالشفاعۃ.	"رجم کے بارے میں دھوکا نہ کھا جانا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد ہے۔ یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا۔ اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہو تا کہ کہنے والے کہیں گے کہ عمر نے کتاب اللہ میں ایک ایسی چیز کا اضافہ کر دیا جو اس میں پہلے نہیں تھی تو میں اس کو مصحف کے حاشیہ پر لکھ دیتا۔ اس پر عمر بن خطاب، عبد الرحمٰن بن عوف اور فلاں اور فلاں حضرات اس پر گواہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔ اور ہم (خلفاء) نے بھی رجم کیا۔ یاد رکھو! کہ تمہارے بعد کچھ لوگ ہوں گے۔ جو رجم کا، دجال کا، شفاعت کا، عذاب قبر کا،

وبعذاب القبر. وبقوم يخرجون من النار بعد ما امتحشوا۔	اور ان لوگوں کا جو دوزخ سے کوئلہ بنکر نکلیں گے، انکار کریں گے"۔

اس خطبہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرات خلفاء راشدین (رضوان اللہ علیہم) کا رجم پر عمل درآمد کسی غلطی یا غلط فہمی کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کی بنیاد عین الیقین پر تھی۔ اور ان کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ کم فہم لوگ آیت النور سے رجم کے بارے میں دھوکا کھائیں گے۔ اور دین کے دیگر قطعیات کی طرح رجم کا بھی انکار کر ڈالیں گے۔

یہاں تکمیل بحث کے طور پر دو باتیں ذکر کرنا ضروری ہے:

اوّل یہ کہ کسی حکم شرعی کے بارے میں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، نسخ کا دعویٰ کرنا بہت ہی سنگین بات ہے۔ اور اس کے لئے نقل صحیح کی ضرورت ہے محض قیاس و گمان سے نسخ کا دعویٰ کرنا جائز نہیں۔ حافظ سیوطی الاتقان (۲: ۲۴) میں لکھتے ہیں:

قال ابن الحصار انما يرجع في النسخ الى نقل صريح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم او عن صحابي يقول ان آية كذا نسخت كذا. قال وقد يحكم به عند وجود التعارض المقطوع به مع علم التاريخ. ليعرف المتقدم والمتاخر. قال ولا يعتمد في النسخ قول عوام المفسرين بل ولا	"ابن الحصار کہتے ہیں کہ نسخ کے باب میں صرف نقل صریح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی سے منقول ہو کہ فلاں آیت نے فلاں حکم منسوخ کر دیا۔ اور نسخ کا حکم اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے جب کہ دو نصوں میں قطعی تعارض ہو۔ اور ساتھ ہی تاریخ بھی معلوم ہو۔ تاکہ متقدم اور متاخر کو معلوم کیا جا سکے۔ اور نسخ کے باب میں عوام مفسرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا

اجتهاد المجتهدين من غير نقل صحيح . ولا معارضة بيّنة . لان النسخ يتضمن رفع واثبات حكم تقرر في عهده صلى الله عليه وسلم والمعتمد فيه النقل و التاريخ ، دون الرأي و الاجتهاد .

جائے گا ۔ بلکہ بغیر نقل صحیح اور واضح تعارض کے بغیر مجتہدین کے اجتہاد پر بھی اس باب میں اعتماد نہیں کیا جائے گا ۔ کیونکہ نسخ متضمن ہے ایک ایسے حکم کے اٹھانے کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ثابت تھا ۔ اور اس کی جگہ دوسرے حکم کے رکھنے کو ۔ اور اس میں لائق اعتماد نقل صریح یا قطعی تاریخ ہی ہو سکتی ہے ۔ نہ کہ محض رائے اور اجتہاد ۔"

ہمارے زیر بحث مسئلہ میں نہ تو آیت النور اور رجم کے درمیان ایسا تعارض ہے کہ تطبیق نہ ہو سکے ۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے کوئی ایسی روایت ہی منقول ہے کہ آیت النور سے رجم کے حکم کو منسوخ کر دیا تھا ۔ اور نہ قطعی طور پر یہی معلوم ہے کہ آیت النور کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنا چھوڑ دیا تھا ، اور اس کی جگہ سو کوڑوں کی سزا جاری کرنے لگے تھے ، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اہل حق میں سے کوئی شخص بطور رائے اور اجتہاد کے بھی اس کا قائل نہیں کہ رجم آیت النور سے منسوخ ہے ۔ اندریں صورت اس آیت سے رجم کے قطعی حکم کو منسوخ قرار دینا ناروا جسارت ہے ۔

دوم : حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان آفتاب نبوت کے مہ و انجم تھے ۔ شریعت کا کونسا حکم باقی ہے اور کونسا منسوخ ؟ اس باب میں ان کا قول حجت ہے ۔ پھر حضرات صحابہؓ کے درجات بھی علم و فقاہت میں مختلف تھے ۔ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ علم و فقاہت میں بہت ہی بلند پایہ تھے ۔ حافظ سیوطی تدریب الراوی (۲ ۔ ۱۹۰) میں نقل کرتے ہیں :

واسند (الحازمي) عن حذيفة رضي الله عنه انه

" امام حازمی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل

سئل عن شیء فقال انما یفتی من عرف الناسخ والمنسوخ۔ قالوا: ومن یعرف ذلك؟ قال عمر۔

کیا ہے کہ ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا، بھائی فتوی تو وہ شخص دے سکتا ہے جو ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو۔ لوگوں نے کہا ایسا شخص کون ہے؟ فرمایا: عمرؓ"

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفاء (۲ - ۸۲) میں لکھتے ہیں:

اخرج الدارمی عن حذیفۃ قال انما یفتی الناس ثلثۃ۔ رجل امام۔ ورجل یعلم ناسخ القرآن من المنسوخ۔ قالوا یا حذیفۃ ومن ذلك؟ قال عمر بن الخطاب۔ او احمق متکلف۔

"امام دارمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا فتوی تین آدمیوں کا کام ہے۔ ایک امام وقت، دوسرے شخص جو قرآن کے ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا، ایسا شخص کون ہے؟ فرمایا، عمر بن خطابؓ یا پھر فتوی دینا تکلف کرنے والے احمق کا کام ہو سکتا ہے۔

واخرج الدارمی عن عمرو بن میمون انہ قال ذهب عمر بثلثی العلم۔ فذکر لابراهیم فقال ذهب عمر بتسعۃ اعشار العلم۔

اور امام دارمی، عمرو بن میمون تابعی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو تہائی علم لے گئے۔ ان کا قول حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۹/۱۰ علم لے گئے۔"

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا برسر منبر یہ ارشاد فرمانا کہ " رجم کے بارے میں دھوکا نہ

کھاجاتا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا ۔ اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ......"
اس امر کی دلیل ہے کہ رجم کا حکم قرآن کریم کی کسی آیت سے منسوخ نہیں ہوا ۔ بلکہ تاقیامت واجب العمل ہے ۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے مقابلہ میں جو شخص اس کے منسوخ ہوجانے کا اعلان کرتا ہے وہ حضرتؓ حذیفہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں "احمقٌ متکلف" کہلانے کا مستحق ہے ۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے خطبہ پر ملاحدہ کے شبہات

غالباً امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر منکرین رجم کی حالت منکشف ہوگئی تھی. اس لئے آپ نے آخری خطبہ میں جہاں اور بہت سے اہم مضامین ارشاد فرمائے ۔ وہاں سب سے پہلے رجم کا مسئلہ ذکر فرمایا ۔ اور ملاحدۂ مرجومین کے تمام شبہات کی جڑ کاٹ دی ۔ اس لئے ملاحدہ کی جتنی تحریریں راقم الحروف کی نظر سے گذری ہیں انہوں نے اس چٹان (خطبۂ فاروقی) سے ٹکراکر اپنا سر پھوڑنے اور اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے کی کوشش کی ہے ۔ عمر احمد عثمانی نے ان ملاحدہ کی ترجمانی کا پورا حق ادا کیا ہے ۔ اس لئے اس سلسلہ میں ان کے شبہات کا تفصیلی جائزہ ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ میں اس کا ذکر بھی آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رجم کی ایک مستقل آیت نازل ہوئی تھی ۔ جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی اور حکم باقی رہا ۔ مؤطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید عن سعید بن المسیب مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا :

ایھا الناس ! قد سنت لکم السنن و فرضت لکم الفرائض ۔ وترکتم علی الواضحۃ الا ان تضلوا	" اے لوگو ! تمہارے لئے سنتیں جاری ہوچکی ہیں ۔ اور فرائض مقرر کئے جاچکے ہیں ۔ اور تم ایک صاف اور واضح راستہ پر چھوڑے گئے ہو۔

بالناس يميناً و شمالاً ــــ وضرب احدى يديه على الأخرىٰ ــــ ثم قال . اياكم ان تهلكوا عن اٰية الرجم. ان يقول قائل لا نجد حدين في كتاب الله - فقد رجم رسول الله صلى الله عليه و سلم ورجمنا . والذي نفسي بيده لولا ان يقول الناس زاد عمر في كتاب الله لكتبتها " الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة " فانا قد قرأناها ..... قال مالك الشيخ والشيخة الثيب والثيبة. (مؤطا، ص ۳۴۹)	الآیہ کہ تم لوگوں کے ساتھ دائیں بائیں بھٹکنے لگو۔ پھر فرمایا ۔ خبردار! رجم کی آیت کے بارے میں ہلاک نہ ہو جانا ۔ کہ کوئی کہنے والا کہنے لگے ۔ کہ ہم کتاب اللہ میں دو حدیں نہیں پاتے ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا ۔ اور ہم نے بھی رجم کیا ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس کو لکھ دیتا " شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں ۔ تو ان کو ضرور سنگسار کرو " کیونکہ ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں ..... امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اور شیخہ سے مراد ہیں شادی شدہ مرد و عورت "

ملاحدہ نے سب سے زیادہ زور اس منسوخ شدہ آیت کا مذاق اڑانے پر دیا ہے ۔ اس لئے ان کے شبہات پر غور کرنے سے پہلے چند امور ذکر کر دینا مناسب ہے ۔

اوّل : اس مضمون کی روایات متعدد صحابہؓ سے مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رجم کی آیت نازل ہوئی تھی ۔ ان کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۲ - ۱۲۰) میں اجمالاً اور حافظ سیوطیؒ نے الاتقان (۲ - ۲۵ و ۲۶) میں تفصیلاً جمع کر دیا ہے ۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے :

۱ ــــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو مؤطا کے حوالے سے ابھی نقل ہوئی ہے ۔ ابن ماجہ

(ص ۱۸٦) میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے الفاظ یہ ہیں :

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لقد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل ما اجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ من فرائض اللہ . الا وان الرجم حق . اذا احصن الرجل وقد قامت البینۃ . او کان حمل . او اعتراف . وقد قرأتها: "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ" ۔ رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ورجمنا بعدہ .	"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ طویل گذرے گا ۔ یہاں تک کہ کہنے والا کہے گا کہ میں رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتا ۔ پس اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو چھوڑ کر لوگ گمراہ ہوں گے خبردار! بے شک رجم حق ہے ۔ جب کہ مجرم شادی شدہ ہو ۔ اور اس پر گواہی قائم ہو جائے ۔ یا حمل ہو ۔ یا اقرار ہو ۔ اور میں نے یہ آیت پڑھی ہے: "شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان کو رجم کرو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا ہے، اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا ہے ۔"

۲ ـــــ سید القراء حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی (پھر اس کی بہت سی آیتیں منسوخ ہو گئیں) اور اسی میں ہم یہ آیت پڑھا کرتے تھے ۔ الشیخ والشیخۃ الخ (مستدرک حاکم ۴ ـ ۳۵۹)

۳ ـــــ اُمامہ بن سہل اپنی خالہ (حضرت عجماء رضی اللہ عنہا) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ آیت پڑھائی تھی ۔ الشیخ والشیخۃ الخ (حوالۂ مذکور)[1]

---

[1] امام ھیثمیؒ نے مجمع الزوائد (٦ ـ ۲٦۵) میں اسے طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور کہا ہے ۔ "و رجالہ رجال الصحیح" مجمع الزوائد کے مطبوعہ نسخہ میں "فارجموھما" کی جگہ "فاجلدوھما" غلط چھپا ہے ۔

۴ــــــ کثیر بن الصلت سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہما مصحف کی کتابت کر رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے "الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ"۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ آیت مجھے لکھوا دیجئے۔ گویا آپؐ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا (مستدرک ۴ - ۳۶۰)

دوم: ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ رجم کے حکم کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ بعض صحابہؓ نے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی بھی تھی۔ لیکن آپؐ نے اس کی عام اشاعت و کتابت کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مصحف میں شامل نہیں فرمایا۔ حافظؒ نے فتح الباری (۶ - ۱۲۰) میں نسائی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ مروان بن حکمؓ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ اس آیت کو مصحف میں کیوں نہیں لکھتے (جب کہ اس کا حکم باقی ہے) انہوں نے فرمایا نہیں! اس کو مصحف میں نہیں لکھا گیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جوان شادی شدہ جوڑا زنا کا مرتکب ہو تو ان کو بھی رجم کیا جاتا ہے۔ (اور یہ حکم آیت منسوخہ کے ظاہر کے خلاف ہے) اور ہم نے اس کا ذکر کیا (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لکھوانے کی فرمائش کی جائے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کام میں میں تمہاری کفایت کردوں گا، چنانچہ انہوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مجھے لکھوا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: "لا استطیع" میں اس کی طاقت نہیں رکھتا"

قرآن کریم کی جن آیات کی تلاوت منسوخ ہوجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تلاوت ترک کرادی جاتی تھی۔ اور وہ ذہن اور حافظے سے محو کردی جاتی تھی۔ یہی صورت آیتِ رجم کے ساتھ بھی پیش آئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع ہی سے اس کو قرآن متلو کی حیثیت نہ دی گئی ہو۔ بلکہ اس فقرہ سے وحی غیر متلو کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زانیٔ محصن کے حکم کی

اطلاع دینا مقصود ہو۔ بہرحال یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظمِ قرآن میں شامل نہیں فرمایا۔ اور جن روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی آیت نازل ہوئی تھی ان سے اس کی قرآنیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ قرآن متلو کی حیثیت سے اس کا تواتر ثابت نہیں۔

سوم: نسخ کی یہ صورت کہ کسی آیت کے الفاظ منسوخ ہو جائیں اور حکم باقی رہے۔ اگر بعض معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ لیکن باتفاق اہل حق یہ صحیح ہے۔ اور اس میں کوئی عقلی یا شرعی محظور نہیں۔ کیونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو نظم قرآن میں شامل نہیں کیا گیا۔ لیکن بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریع فرمائی۔ پس جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ منجانب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک حکم ابتداءً وحی متلو کی حیثیت رکھتا ہو لیکن بعد میں اس کی تلاوت اٹھالی جائے اور حکم باقی رہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ اس لئے جس طرح پہلی صورت جائز ہے۔ اور اس پر کوئی عقلی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔

چہارم:- رہا یہ سوال کہ اس آیت کی تلاوت کیوں منسوخ ہوگئی؟ اور اس میں کیا حکمت و مصلحت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اصل حکمت تو خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور ہم معاملات الٰہیہ کی حکمتوں کا نہ احاطہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس کے مکلف ہیں۔ تاہم اکابر سے اس کی چند حکمتیں منقول ہیں:

ا۔ اوپر کثیر بن الصلت کی جو روایت گذری ہے اس کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی بھی مروی ہیں:

فقال عمر الاترى ان الشيخ اذا زنا ولم يحصن جلد۔ و ان الشاب اذا زنا وقد احصن رجم۔	"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ بوڑھا شیخ جب زنا کرے اور وہ شادی شدہ نہ ہو تو اس کی سزا کوڑے لگانا ہے۔ اور شادی شدہ جوان زنا کا مرتکب ہو اس کو سنگسار کیا جاتا ہے۔"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں: "اس حدیث سے اس آیت کی تلاوت کے منسوخ ہونے کا سبب معلوم ہو جاتا ہے۔ یعنی عمل کا اس کے ظاہری عموم کے خلاف ہونا" (فتح الباری ۶-۱۲۰) مطلب یہ کہ یہاں "الشیخ والشیخۃ" سے مراد شادی شدہ مرد و عورت تھے۔ جن کو ایک خاص نکتہ کی وجہ سے "بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا تھا (اس تعبیر میں فنی بدیع کا جو نکتہ تھا اسے ابن حاجب کی امالی سے ابن ماجہ (ص ۱۸۶) کے حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے) مگر حکم چونکہ ظاہری الفاظ کے خلاف تھا اس لئے اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی، اوپر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت جو گذری ہے اس میں بھی یہی سبب ذکر کیا گیا ہے۔

۲ - ایک حکمت حافظؒ نے ابن الضریس کی "فضائل قرآن" کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

عن زید بن اسلم ان عمر خطب الناس، فقال لا تشکوا فی الرجم فانہ حق۔ ولقد هممت ان اکتبہ فی المصحف فسألت أبی بن کعب۔ وقال الیس أتیتنی وانا استقرئها رسول اللہ فدفعت فی صدری وقلت تستقرئه آیة الرجم۔ وهم یتسافدون تسافد الحمر ۔ ورجاله ثقات۔ (فتح الباری ۶-۱۲۰)	"زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب فرمایا پس فرمایا کہ رجم کے بارے میں شک نہ کرنا۔ کیونکہ وہ حق ہے۔ اور میں نے ارادہ کیا تھا کہ یہ حکم مصحف میں لکھ دوں میں نے ابی بن کعب سے مشورہ کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ کو یہ واقعہ یاد نہیں رہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے پڑھنے کی فرمائش کر رہا تھا آپ آئے اور میرے سینہ میں دھول ماری اور کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رجم کی آیت پڑھنا چاہتے ہو۔ حالانکہ لوگ گدھوں کی طرح جفتی کریں گے"۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اس روایت میں آیت کے نسخ تلاوت

کے سبب کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے اختلاف "

مطلب یہ کہ لوگوں کی کوتاہ بینی اور شہوت پرستی انہیں اس حکم سے اختلاف پر آمادہ کرتی۔ اور وہ قرآن کریم پر نکتہ چینی کرکے کفر صریح کے مرتکب ہوتے اس لئے رحمت مقتضی ہوئی کہ اس حکم کو توارث و تعامل کے ذریعہ باقی رکھا جائے۔ قرآن متلو کی حیثیت اس کو نہ دی جائے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر کئے جانے کی توقع تھی اور نظر مبارک بار بار آسمان کی طرف اٹھتی تھی۔ اسی طرح غالباً آپؐ کو اس آیت کے نسخ تلاوت کی بھی شروع ہی سے توقع تھی اس لئے اس کی عام اشاعت و کتابت کو شروع ہی سے پسند نہیں فرمایا۔

۳۔ حافظ سیوطیؒ الاتقان (۲-۲۶) میں لکھتے ہیں :

قلت : وقد خطرلی فی ذلك نکتة حسنة ۔ وهو ان سببه التخفیف علی الامة لعدم اشتهارها . وتلاوتها . وکتابتها فی المصحف . وان کان حکمها باقیاً . لانه اثقل الاحکام واشدها . واغلظ الحدود . وفیه الاشارة الی ندب الستر ۔	" میں کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں میرے ذہن میں ایک عمدہ نکتہ آیا ہے ۔ اور وہ یہ کہ اس کا سبب امت کے حق میں تخفیف ہے ۔ کہ اس کی تلاوت باقی نہیں رہی ۔ اور مصحف میں اس کی کتابت نہیں ہوتی ۔ اگرچہ اس کا حکم باقی رہا ۔ کیونکہ یہ احکام میں سب سے ثقیل اور شدید حکم اور سب سے سخت حد تھی ۔ اور اس میں اشارہ تھا کہ ایسے مجرم پر پردہ ڈالنا مندوب ہے "

مطلب یہ کہ حکم کے باقی ہونے کے باوجود اس کو قرآن متلو کی حیثیت نہ دینا ایک طرح کی ستر پوشی اور عیب پر پردہ ڈالنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں میں ایسے مجرم پائے جائیں۔ جن کی یہ شدید ترین سزا منبر و محراب میں تلاوت ہوا کرے۔ اس لئے گو حکم باقی رکھا گیا مگر قرآن حکیم نے اس کے اپنے نظم میں شامل نہیں فرمایا۔

۴ ۔ مولانا محمد انور شاہ کشمیری (نور اللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں :۔

" میں کہتا ہوں کہ جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اصل حدِ زنا تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے ۔ اور وہ کوڑوں کی سزا ہے ۔ رہ گیا رجم ، تو وہ ثانوی سزا ہے ۔ اس کو قرآن کریم نے اپنے نظم میں اس لئے شامل نہیں فرمایا کہ وہ اس کے ذکر کو گمنام رکھنا چاہتا ہے ۔ تاکہ یہ لوگوں سے جسقدر ساقط ہوسکے ساقط ہو جائے ۔ لہذا کوڑے مارنے کی سزا تو ایسی حد مقصود تھی جو کسی حالت میں بھی ساقط نہ ہونی چاہیئے ۔ رہ گیا سنگسار کرنا تو اگرچہ وہ بھی حد ہے ۔ لیکن مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے اسے ساقط کر دیا جائے ۔ پس اگر قرآن نے اس کو بھی اپنے نظم میں شامل کر لیا ہوتا تو اس سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ۔ اور اس کے ذکر کو شہرت حاصل ہو جاتی ۔ جبکہ مقصود اس کے ذکر کو گمنام رکھنا ہے ۔ اور کیوں نہ ہوتا ۔ اگر یہ سزا قرآن میں ذکر کر دی جاتی تو وحی متلو ہوتی ، جو قیامت تک تلاوت کی جاتی ، پس مقصود حاصل نہ ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان دونوں سزاؤں کو جمع فرمایا ۔ اور کبھی صرف ایک پر اکتفا فرمایا ۔ اور یہی مطلب ہے اس روایت کا جو فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آیتِ رجم لکھوا دی جائے تو فرمایا ۔ اس کو کیسے لکھو گے ۔ جب کہ لوگ گدھوں کی طرح شہوت رانی کریں گے ۔ مقصد یہ تھا کہ زنا کی تو کثرت ہو کر رہے گی ۔ اور اس کی سزا رجم ہے ۔ پس اگر اس کو لکھ دیا جاتا تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ۔ پس بہتر یہی ہے کہ رجم عمل میں تو باقی رہے ۔ لیکن قرآن کریم میں گمنام رہے ۔ اگر میں اس کو قرآن میں لکھ دوں تو اس کا معاملہ مؤکد ہو جائے گا ۔ اس صورت میں ساقط کر دینا اس کے مناسب نہ ہوگا ۔ جبکہ مقصود یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو ساقط کیا جائے ۔ (فیض الباری ۴ ۔ ۴۴۸ ، ۴۴۹)

آیت رجم کے بارے میں ان تمہیدی امور کو ذہن میں رکھنے کے بعد ملاحدہ کے شبہات پیش کئے جاتے ہیں:

پہلا شبہ :

عمر احمد عثمانی ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" ہدایہ کے حاشیہ میں مولانا عبد الحی لکھنوی ؒ نے عنایہ کے حوالہ سے وہ آیت بھی نقل فرمادی ہے جو بقول ان کے قرآن میں موجود تھی لیکن اب موجود نہیں ہے ۔ آیت کے الفاظ یوں نقل کئے گئے ہیں : الشیخ والشیخۃ الخ "

(ہدایہ ص ۵۰۹ ج ۲ - فاران ص ۲۵)

اس فقرے میں موصوف نے دو گمراہ کن مغالطے دئے ہیں ۔ ایک یہ کہ آیت رجم کا انکشاف گویا پہلی مرتبہ مولانا عبد الحی لکھنوی ؒ نے عنایہ کے حوالے سے کیا ہے ، حالانکہ اگر موصوف کو آیت رجم نقل کرنی تھی تو اس کے لئے مؤطا امام مالک اور ابن ماجہ کا حوالہ دیا جاسکتا تھا جن میں سند صحیح کے ساتھ یہ منسوخ شدہ آیت نقل کی گئی ہے ۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ موصوف ' مولانا لکھنوی ؒ اور صاحب عنایہ کی طرف اس قول کو منسوب کرتے ہیں کہ " یہ آیت قرآن میں موجود تھی ۔ لیکن اب موجود نہیں ہے " جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو قرآن کریم میں درج کرایا تھا لیکن بعد میں کسی نے نکال دی ۔ نعوذ باللہ ۔ حالانکہ کوئی مسلمان تو کیا کوئی کافر بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن چھوڑ گئے تھے ۔ اس کی ایک آیت تو کجا ' ایک لفظ کی بھی کمی بیشی کی گئی ہے ۔ عثمانی صاحب کی فہم و دیانت کا شاہکار ملاحظہ ہو کہ ایک خالص ملحدانہ نظریہ عثمانی صاحب اپنے ذہن سے گھڑ کر اسے مولانا لکھنوی ؒ اور صاحب عنایہ کے سر منڈھ رہے ہیں ۔ اگر انہوں نے عنایہ کا مطالعہ کیا ہے تو یقیناً ان کو علم ہے کہ مولانا لکھنوی اور صاحب عنایہ ان کی اس ملحدانہ بہتان تراشی سے بری ہیں ۔ صاحب عنایہ ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ (جس میں اس منسوخ شدہ آیت کا ذکر آیا تھا) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وانتسخت تلاوتها بصرف القلوب عنها الحکمة	" اور اس آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی ۔ اور قلوب سے اس کو اٹھالیا

یعلمہا اللہ ۔ گیا ۔ بوجہ اس حکمت کے، جس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں"۔

صاحب عنایہ، یہ نہیں کہہ رہے کہ "یہ آیت قرآن میں موجود تھی لیکن اب موجود نہیں ہے" بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی لیکن کسی حکمت کی بنا منجانب اللہ اس کو منسوخ کر دیا گیا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ذہنوں سے اس کے الفاظ اٹھالئے گئے ، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مصحف میں شامل نہیں فرمایا

دوسرا شبہ :

عثمانی صاحب خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا فقرہ میں انہوں نے ایک غلط بات خود تراش کر مولانا لکھنویؒ اور صاحب عنایہ کی طرف منسوب کردی ہے ۔ چنانچہ اس کے بعد "نسخ کا دعویٰ" کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں :

> "ان روایات کی بنا پر یہ نظریہ وضع فرمایا گیا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں منسوخ بھی ہیں ۔ اور ان کی تین قسمیں ہیں ۔ (۱) وہ آیات جن کی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی اور حکم بھی منسوخ ہوگیا (۲) وہ روایات[1] جن کا حکم تو منسوخ ہوگیا، مگر تلاوت منسوخ نہیں ہوئی (۳) وہ آیات جن کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی اور وہ اب قرآن میں موجود نہیں ہیں[2] ۔ مگر ان کا حکم منسوخ نہیں ہوا ۔ وہ اب بھی باقی ہے ۔ بلاشبہ نسخ کی پہلی صورت تو قابل فہم ہے کہ جن حالات میں کوئی آیت نازل ہوئی تھی وہ حالات باقی نہ رہے لہذا وہ آیت منسوخ ہوگئی ۔ لیکن دوسری اور تیسری صورت قابل فہم نہیں ۔ خصوصاً تیسری صورت تو بالکل ہی مضحکہ خیز ہے"۔

---

[1] موصوف کے ذہن پر "روایات" کا لفظ کچھ ایسا سوار ہے کہ " آیات " کی جگہ بھی "روایات" کا لفظ قلم سے نکلتا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

[2] پھر وہی ملحدانہ اور گمراہ کن تعبیر ۔ اس کی جگہ یہ لکھنا چاہئے تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن متلو میں باقی نہیں رکھا"۔

میں اوپر عرض کرچکا ہوں اہل حق ، اہل سنّت والجماعت ، کے نزدیک نسخ کی تینوں صورتیں جائز ہیں ۔ اگر عمر احمد عثمانی صاحب اہل حق سے اختلاف کرکے باطل کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو انہیں " مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ " کا مصداق بننے اور " نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ " کی راہ پر چلنے سے کون روک سکتا ہے ۔

لیکن ان کی خیر خواہی کے لئے اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ نسخ کی پہلی قسم کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں ۔ اور اسے " قابل فہم " فرماتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس بات کا علم بھی " روایات " ہی سے ہوگا کہ فلاں مضمون کی ایک آیت نازل ہوئی تھی جو بعد میں مع اپنے حکم کے منسوخ ہوگئی ۔ ایسی روایات تو آپ کے لئے قابل فہم ہیں ۔ اب اگر احادیث صحیحہ اور امّت کے تعامل و توارث سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا ۔ بعد میں اس کی جگہ خدا تعالے نے فلاں حکم نازل کردیا ۔ یا یہ کہ فلاں حکم کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی ۔ مگر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ۔ اور حکم باقی رہا تو سوال یہ ہے کہ پہلی قسم کی روایات کو آپ کیوں تسلیم کرتے ہیں ۔ اور دوسری قسم کی احادیث اور تعامل و توارث کو کس دلیل سے ردّ فرماتے ہیں ۔ روایات کی بنا پر پہلی صورت کیوں قابل فہم ہے ۔ اور دوسری صورت کیوں قابل فہم نہیں ۔ دونوں کے لئے ردّ و قبول کا ایک الگ الگ پیمانہ کیوں ہے ؟ اور دونوں کے درمیان وجہ فرق کیا ہے ؟

اگر ردّ و قبول کا مدار صرف جناب کے " فہم عالی " پر ہے کہ دین کی جس بات کو جناب کا فہم سامی قبول کرلے وہ تو لائق قبول ہے ۔ اور جس چیز کو جناب کا فہم شریف ردّ کردے وہ لائق ردّ ہے تو گستاخی معاف ! جناب کو دنیائے ہست و بود میں آج سے چودہ سو سال پہلے اس وقت تشریف لانا چاہئے تھا جب کہ دین کی تشریع ہو رہی تھی ۔ تاکہ خدا و رسولؐ جناب کے فہم سے استفادہ کرسکتے ۔ اور کسی حکم کی تشریع کے وقت پہلے یہ دیکھ لیا کرتے کہ جناب عمر احمد عثمانی کا فہم اس کو قبول بھی کرتا ہے یا نہیں ؟ لیکن افسوس ہے کہ چودہ سو سال بعد آپ تشریف لاکر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ فلاں بات تو قابل فہم ہے ۔ اور فلاں بات قابل فہم نہیں ، معاف کیجئے یہ

مشورہ بہت بعد از وقت ہے ۔ دین کا مدار نقل پر ہے ۔ ما وشما کے فہم کج پر اس کا مدار نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ (عمر احمد عثمانی کے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تک) گذشتہ تمام اکابر بھی عقل و فہم سے عاری نہیں تھے ۔ جو نسخ کی تینوں صورتوں کے قائل ہیں، اس لئے اگر عمر احمد عثمانی کے لئے کوئی چیز ناقابل فہم ہے تو یہ اس چیز کا قصور نہیں ۔ بلکہ آنجناب کے فکر و فہم کا قصور ہے ۔ اور دین کی کسی بات کو ناقابل فہم کہکر آپ مولانا رومؒ کے اس ارشاد کی تصدیق کرتے ہیں :

حملہ برخود مے کنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

تیسرا شبہ :

عثمانی صاحب لکھتے ہیں :

"اگر خدا کو کسی آیت کا حکم باقی رکھنا ہے تو اسے قرآن کریم سے خارج کرنے اور تلاوت منسوخ کرنے میں کونسی مصلحت ہو سکتی ہے ۔ خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔"

لاریب کہ خدا کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ خدا تعالیٰ اپنے کام کی حکمت و مصلحت سے جناب عمر احمد عثمانی کو بھی مطلع کیا کرے؟ جب نقل صحیح سے ثابت ہے کہ فلاں آیت اتری تھی ۔ مگر بعد میں منسوخ ہو گئی تو اس سے خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا منسوخ ہونا ہی حکمت و مصلحت تھا ۔ خواہ وہ مصلحت کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ جو شخص خدا اور رسولؐ کی بات کو اس وقت تک ماننے ہی کے لئے تیار نہ ہو جب تک اسے مصلحت معلوم نہ ہو جائے وہ دراصل خدا اور رسولؐ پر ایمان ہی نہیں رکھتا ۔ بلکہ اپنی عقل ناقص اور فہم نارسا پر ایمان رکھتا ہے۔

چوتھا شبہ :

عثمانی صاحب لکھتے ہیں :

"ہمارے علماء کرام آج تک نہ اس کی (آیت رجم کے منسوخ ہو جانے کی)

کوئی مصلحت بتا سکے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی دوسری مثال قرآن کریم سے پیش کر سکے۔" (صـ۲۵)

اوّل تو ___ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ___ "ہمارے علماء کرام "کسی حکم شرعی کی حکمت و مصلحت بتانے کے مکلف ہی نہیں، کیونکہ وہ دین کے ناقل ہیں۔ واضع اور شارع نہیں حکمت کا مطالبہ قانون کے واضع سے ہوا کرتا ہے۔ نہ کہ ناقل سے۔ اس لئے علماء امت سے اس کی حکمت و مصلحت کا مطالبہ ہی غلط ہے۔ ہاں! ان سے تصحیح نقل کا مطالبہ ہو سکتا ہے، کہ جو بات تم کہہ رہے ہو وہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے منقول بھی ہے یا نہیں؟

علاوہ ازیں عثمانی صاحب کے دونوں دعوے غلط ہیں۔ علمائے امت نے اس کے نسخ تلاوت کی حکمت و مصلحت بیان کر دی ہے۔ مگر اس کے فہم کے لئے بھی فہم سلیم درکار ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ نسخ تلاوت اور بقائے حکم کی کوئی اور مثال پیش نہیں کی گئی۔ الاتقان (۲-۲۴ و ما بعد) میں اس کی متعدد مثالیں مذکور ہیں، اور کم از کم ایک مثال تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زیر بحث خطبہ ہی میں موجود ہے:

ثم انا کنا نقرء فیما نقرء من	"پھر ہم کتاب اللہ میں یہ آیت بھی پڑھتے
کتاب اللہ ان لا ترغبوا عن	رہے ہیں کہ "تم اپنے باپوں سے اپنا
اٰباءکم فانہ کفر بکم	نسب منقطع نہ کرو۔ کہ یہ کفر کی بات ہے"۔

(صحیح بخاری ۲ - ۱۰۰۹)

یہ بھی منجملہ ان آیات کے ہے جو قرآن کریم میں نازل ہوئی تھیں۔ بعد میں منسوخ ہو گئیں۔ مگر ممانعت کا حکم اب بھی باقی ہے۔

پانچواں شبہ: عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

" یہ دراصل اس شیعی شرارت کا حصہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت و صیانت کو مشتبہ اور مشکوک بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے بڑے راوی محمد بن مسلم ابی (؟) شہاب زہری ہیں۔ جو شیعی اسماء الرجال کی کتابوں میں

حدیث کے جلیل القدر امام مانے جاتے ہیں۔ لیکن شیعہ اسماء الرجال کی کتابوں میں
ان کے شیعہ ہونے کی تصریحات ملتی ہیں۔"

عثمانی صاحب کی یہ عبارت تماشائے عبرت ہے۔ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خدانخواستہ آدمی کجروی و کج فکری کی راہ پر چل نکلے تو وہ کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ موصوف نے اس عبارت میں تین دعوے کئے ہیں :

۱۔ آیت رجم کا ذکر صرف خطبۂ عمر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے۔ اور یہ خطبہ صرف امام زہری نے نقل کیا ہے۔

۲۔ زہری شیعہ ہے ——— لہذا

۳۔ فرض کرنا چاہیئے کہ آیت رجم کے منسوخ ہوجانے کا افسانہ ایک شیعہ نے قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کو مشکوک اور مشتبہ بنانے کے لئے تصنیف کیا ہے۔

یہ تینوں دعوے اس قدر لغو اور بے ہودہ ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس ان کو زبان و قلم پر بھی لا سکتا ہے۔ عثمانی صاحب کے ان تینوں دعووں کی لغویت پر غور فرمائیے :

اول : آیت رجم کے نازل ہونے اور پھر منسوخ ہوجانے کا ذکر صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں نہیں آتا۔ بلکہ اوپر متعدد صحابہ کرامؓ کی احادیث نقل کر چکا ہوں۔ جنہوں نے اس آیت کے نازل ہونے اور منسوخ ہوجانے کو بیان فرمایا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ صرف امام زہری نے نقل نہیں کیا۔ بلکہ اوپر موطا امام مالکؒ کی روایت نقل کر چکا ہوں جو " مالک عن یحیی ابن سعید عن سعید بن المسیب " کے طریق سے مروی ہے۔ اور مسند احمد میں اس کی مندرجہ ذیل اسانید ہیں۔ جن میں زہری کا واسطہ نہیں :

۱ ——— ... ثنا هشيم انبأنا على بن زيد عن يوسف بن مهران عن ابن عبّاس قال خطب عمر بن الخطاب رضى الله عنه وقال هشيم مرةً خطبنا الخ (ص ۲۳ ج ۱)

۲ ——— ... ثنا يحيىٰ عن يحيىٰ قال سمعتُ سعيد بن المسيب يقول ان

عمر رضی اللہ عنہ الخ (ص۳۶ ج۱)

۳۔ حدثنا یزید انبأنا یحیی عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الخ (ص۴۳ ج۱)

۴۔ حدثنا محمد بن جعفر و حجاج قالا ثنا شعبۃ عن سعد بن ابراھیم قال سمعت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ یحدث عن ابن عباس الخ (ص۵۰ ج۱)

اگر دیگر معاجم و مسانید سے اس کے طرق تلاش کئے جائیں تو اس کے اور متابعات و شواہد بھی مل سکتے ہیں۔ اس لئے عثمانی صاحب کا یہ دعویٰ کہ آیت رجم کا ذکر صرف حضرت عمرؓ کے خطبہ میں آیا ہے۔ اور وہ خطبہ صرف زہری نے نقل کیا ہے۔ نہایت افسوسناک غلط بیانی ہے۔

دوم: موصوف کا یہ دعویٰ کہ زہری شیعہ تھا۔ امام زہریؒ پر بدترین بہتان تراشی ہے۔ اور اس کے ثبوت میں یہ کہنا کہ شیعہ کے اسماء الرجال کی کتابوں میں امام زہری کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔ شیعہ نفسیات سے بے خبری کی دلیل ہے، شیعہ اسماء الرجال کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ اسلام کی ممتاز ترین ہستیوں کو تقیہ کی چادر اوڑھا کر انہیں کس طرح شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس سے مقصود یہ تھا کہ ان اکابر کو اہل حق کی نظر میں ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اس ابلہ فریبی کے دام میں عمر احمد عثمانی ایسے ذہین لوگ ہی آسکتے ہیں، ورنہ آج تک کسی صاحب عقل و دانش نے اس سے دھوکہ نہیں کھایا۔ امام زہریؒ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

"الفقیہ الحافظ۔ متفق علی جلالتہ واتقانہ۔ وھو من رؤس الطبقۃ الرابعۃ"۔

امام زہریؒ امام مالکؒ کے شیخ ہیں۔ اور رفض و بدعت کے بارے میں امام مالکؒ کا موقف اہل علم کو معلوم ہے۔ بہر حال عمر احمد عثمانی کے اس ہفوہ سے امام زہریؒ کی جلالت قدر اور بلندئ مرتبت میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ انہوں نے ایک جلیل القدر تابعیؒ پر ایک غلط اتہام عائد

کرکے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ ضرور کیا ہے ۔

سوم : موصوف کا یہ خیال بھی خالص خوش فہمی ہے کہ کسی آیت کے منسوخ التلاوت ہونے سے نعوذ باللہ قرآن حکیم کی حفاظت و صیانت مشتبہ ہو جاتی ہے ۔ انہوں نے اپنے خیالات کی دنیا سے باہر نکل کر چند حقائق پر غور کیا ہوتا تو یقین ہے کہ انہیں یہ مضحکہ خیز بات کہنے کی جرأت نہ ہوتی ۔

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تمام اہل حق بالاتفاق نسخ کی تینوں قسموں کے قائل رہے ہیں ۔ اگر کسی آیت کا منسوخ التلاوت ہونا ذرا بھی موجب اشتباہ ہوتا تو اہل حق اس کے کبھی قائل نہ ہوتے ۔

خود عثمانی صاحب بھی نسخ کی ایک قسم (جس میں تلاوت اور حکم دونوں اٹھالئے گئے ہوں) کے قائل ہیں ۔ اور میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کا ثبوت بھی آخر روایات ہی سے ہوگا ۔ پس اگر نسخ کا قول قرآن حکیم کی صیانت و حفاظت کو مشتبہ بنا دیتا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ عثمانی صاحب خود قرآن کریم کو مشتبہ سمجھتے ہیں ۔ اور اگر تلاوت اور حکم دونوں کے نسخ سے قرآن کریم کی حفاظت میں کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا تو یقیناً کسی ایک کے نسخ سے بھی اشتباہ پیدا نہیں ہو سکتا ۔

دراصل ہمارے عثمانی صاحب کے ذہن پر بقول ان کے "شیعی شرارت" کا ایسا سحر طاری ہے کہ وہ یا تو نسخ اور تحریف کے درمیان فرق کرنے سے معذور ہیں ۔ یا دیدہ و دانستہ ابلہ فریبی سے کام لے رہے ہیں ۔

نسخ کے معنیٰ ہیں "زمانۂ نبوت میں منجانب اللہ کسی آیت کی تلاوت یا حکم یا دونوں کا اٹھا لیا جانا"۔ ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے کوئی آیت اٹھالی گئی ۔ تو اس کی حیثیت ایسی ہو جاتی ہے گویا وہ نازل ہی نہیں ہوئی تھی ۔ اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نزول وحی میں امین سمجھتے ہیں، اسی طرح کسی آیت کے رفع کے بارے میں بھی امین سمجھتے ہیں ۔ اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت کی تلاوت ترک فرما دی تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ آیت منسوخ کر دی گئی ۔

نسخ کی اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نسخ، حفاظت قرآن کے منافی نہیں ۔ البتہ اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلاں آیت زمانۂ نبوت میں منسوخ نہیں، بلکہ آپ کے بعد کسی نے اسے ـــــ نعوذ باللہ ـــــ قرآن کریم سے نکال دیا تو یہ نسخ نہیں بلکہ تحریف ہے ۔

بلاشبہ قرآن کریم تحریف و تبدیلی کے احتمال سے بھی مبرا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک طبقہ در طبقہ تواتر سے نقل ہوتا آیا ہے ۔ آپؐ کے بعد اس کی کسی آیت میں ایک حرف کی کمی بیشی کا بھی احتمال نہیں ۔ اس لئے بلا خوف تردید قرآن کریم کی حفاظت و صیانت ہر شک و شبہ سے پاک ہے ۔ لیکن "نسخ" تو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کی طرف سے ہوتا ہے ۔ نہ آپؐ کے بعد کسی شخص کی طرف سے ۔ وہ تو خود قرآن نازل کرنے والے خدا کی جانب سے ہوتا ہے ۔ کون عقلمند اس کو قرآن کی صیانت و حفاظت کے منافی کہہ سکتا ہے ۔

چھٹا شبہ :

عمر احمد عثمانی صاحب کا مفروضہ یہ ہے کہ رجم کا حکم کبھی اسلام میں نازل ہی نہیں ہوا ۔ بلکہ یہ توریت کا حکم تھا ۔ مدۃ العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر ہے اس سے تورات کی آیت مراد ہے، وہ افسانہ نگاری کے انداز میں لکھتے ہیں :

> "لہذا ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں تورات کو کتاب اللہ فرمایا تھا ۔ کہ اس میں یہ آیت موجود ہے ۔ ہم نے اسے پڑھا ۔ یاد کیا ۔ اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زناکاروں کو رجم فرمایا ۔ اور آپ کے ساتھ ہم نے بھی رجم کیا ہے ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اور میں نے بھی ۔ یہودیوں نے یہ آیت تورات سے خارج کردی ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اس میں لکھ دوں ۔ لیکن مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ میں اللہ کی کتاب میں خود کوئی اضافہ کروں وغیرہ وغیرہ ۔"
>
> "کتاب اللہ کے لفظ سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور اس لفظ کا مصداق بجائے تورات کے راویوں نے قرآن کریم بنا لیا ۔" (ص۲۶)

مشہور ضرب المثل "إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ" کا تو کوئی علاج نہیں ، لیکن موصوف کی مندرجہ بالا تاویل کا ایک ایک حرف ، حرف غلط ہے ۔

۱ـــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ان اللہ تعالیٰ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق ۔ وانزل علیہ الکتاب. فکان مما انزل اللہ اٰیۃ الرجم. فقرأناھا. وعقلناھا. ووعیناھا ۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۰۹ ج ۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ۔ اور آپؐ پر کتاب نازل فرمائی پس منجملہ اس کے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا آیت رجم بھی تھی ۔ پس ہم نے اس کو پڑھا ۔ اس کو سمجھا ۔ اور اس کو محفوظ کیا ۔"

لیکن ہمارے عثمانی صاحب کیا خوبصورت تاویل فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد توریت ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پڑھ کر کوئی ادنیٰ عقل و فہم کا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ یہاں "الکتاب" سے مراد قرآن حکیم نہیں ۔ بلکہ توریت ہے ؟ اور پھر کتنی عجیب بات ہے کہ عثمانی صاحب بایں عقل و فہم راویوں پر فریب خوردگی کا الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں "الکتاب" کا جو لفظ آیا تھا اس کا مصداق بجائے تورات کے قرآن کریم کو بنالیا۔"

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

بلاشبہ توریت میں بھی رجم کا حکم تھا ـــ اور اب بھی ہے ـــ لیکن کیا کسی کی عقل تسلیم کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی حیات طیبہ کے آخری خطبہ میں مسلمانوں کو آخری وصیتیں فرماتے ہوئے انہیں قرآن کریم کی طرف نہیں ۔ بلکہ ایک منسوخ شدہ کتاب توریت کی طرف متوجہ کرتے ہوں گے ؟ عثمانی صاحب خود تو ایک سیدھی سادی بات کو "شیعی شرارت" کہکر امام زہریؒ ایسے جلیل القدر تابعی کو مجروح کرنے کے درپے ہیں ۔ لیکن اگر میں ان کی اس تاویل کو "شیعی شرارت" کا نام دوں تو انصاف کیجئے کہ کیا یہ بے جا بات ہو گی ؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ یہودیوں کے بیت المدارس سے توریت کے چند اوراق اٹھالائے تھے ۔ اور انہیں بارگاہِ نبویؐ میں پڑھنا شروع کیا جس سے چہرۂ انور

میں تغیر آگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توریت کے اوراق لپیٹ کر رکھ دیئے اور "اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ۔ رضیت باللہ ربًا وبالاسلام دینًا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیًّا" کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل۔ ولوکان حیًّا و ادرک نبوتی لاتبعنی۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ ص۳۲)	"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے آتے ہیں۔ پس تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو۔ تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ خود میری پیروی کرتے"

کیا اس ارشاد نبویؐ کے احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ برسر منبر قرآن کریم کے بجائے توریت کے حوالے دینے لگیں۔ لقد جئتم شیئًا ادًّا۔

۲ ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں:

رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ ورجمنا بعدہٗ۔	"(کتاب اللہ کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی"

عثمانی صاحب اس کی تفسیر یہ ارشاد فرماتے ہیں: "تورات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زناکاروں کو رجم فرمایا۔ اور آپؐ کے ساتھ ہم نے بھی رجم کیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اور میں نے بھی"

ہمیں معلوم نہیں کہ "آپؐ کے بعد" کی تفسیر "آپؐ کے ساتھ" کرنا دیانت و امانت کی کونسی قسم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدۃ العمر زانیٔ محصن کو رجم ہی کیا۔ اور آپؐ کے بعد ہم نے (خلفا نے) بھی رجم کیا۔ لیکن عثمانی صاحب اس

سیدھی سادی بات میں بھی اپنی خود غرضی سے تحریف کر رہے ہیں ۔

۳ــــ عثمانی صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ "یہودیوں نے آیت رجم تورات سے خارج کر دی" حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے ۔ رجم کا حکم تورات میں آج بھی موجود ہے ۔ اور میں اس کا حوالہ نقل کر چکا ہوں ۔ ایک غلط بات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا کس قدر لائق شرم بات ہے ۔

۴ــــ پھر عثمانی صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ میں آیت رجم تورات میں لکھ دوں" سوال یہ ہے کہ اگر رجم کا حکم ــــ عثمانی صاحب کے بقول ــــ اسلام میں تھا ہی نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا پڑی تھی کہ وہ رجم کی آیت تورات میں درج کرتے پھریں ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ رجم کا حکم حق ہے ۔ کیا کسی منسوخ شدہ حکم کو حق کہکر اس کی تاکید و وصیت کرنا جائز ہے ؟ تعجب ہے کہ جو حضرات اتنی صاف اور واضح باتوں میں دروغ بافی اور غلط بیانی سے نہیں شرماتے وہ دینی معاملات میں خود کو مجتہد نہیں بلکہ شارع کی حیثیت دینا چاہتے ہیں ۔

<u>ساتواں شبہ</u> : عثمانی صاحب لکھتے ہیں :

" آخر میں ایک یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اگر آپ کی یہ باتیں صحیح ہیں تو پھر خلفائے راشدین نے کیوں سنگسار کیا ؟ خلفائے راشدین کا سنگسار فرمانا متعدد روایات سے ثابت ہے جس سے انکار ممکن نہیں ۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طویل عرصہ سے تورات کے حکم کے مطابق شادی شدہ زناکار مرد و عورت کو سنگسار کرتے چلے آرہے تھے ۔ اور غیر شادی شدہ زناکار مرد و عورت کو سو دُرّوں کی سزا دیتے رہے تھے تو عام مسلمانوں کے اذہان اسی تفریق کے عادی ہوگئے ۔ سورۃ النور نازل ہونے کے بعد ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کیا ہو اور آپ نے اسے کوڑوں کی سزا دی ہو ۔ لہذا فطری بات ہے کہ جو کچھ اب تک ہوتا چلا آرہا تھا

لوگوں کے اذہان نے سورۂ النور کی آیات کو اسی پر منطبق کر لیا۔ اور سمجھا کہ یہ غیر شادی شدہ زانیوں ہی کی سزا ہو گی۔ بہر حال یہ ایک اجتہادی لغزش تھی۔ اور قرآن کریم کی نص صریح کے مقابلہ میں حضرات صحابہ کرام کے اپنے فیصلوں اور اجتہادات کی کوئی اہمیت نہیں۔" (ص ۲۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تورات کے ماتحت رجم فرماتے تھے یا وحی الٰہی کے ماتحت؟ اور یہ کہ سورۂ النور کی آیت کے نزول کے بعد بھی رجم کے واقعات پیش آئے یا نہیں؟ ان مسائل پر تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ بہر حال جناب عثمانی صاحب تسلیم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے مدۃ العمر رجم کے حکم پر عمل فرمایا۔ وہ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل اور دائمی تعامل سے مسلمانوں (صحابہ کرامؓ) نے یہی سمجھا کہ سورۂ النور کی آیت غیر شادی شدہ مجرموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شادی شدہ زانیوں کے لئے رجم کی سزا ہے۔

رہا یہ کہ عثمانی صاحب کی عبقریت، حضرات خلفائے راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کے فہم کو "اجتہادی خطا" قرار دیتی ہے تو معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ عقلاء ان کے اس ارشاد کو خشکیٔ دماغ کا نتیجہ قرار دینے پر مجبور ہوں گے، آخر کسی عاقل کے نزدیک یہ بات کس طرح قابل فہم ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے لیکر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھے۔ آج علامہ عمر احمد عثمانی بالقابہ ان کو قرآن سمجھانے آئے ہیں۔

رہا عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ "قرآن کریم کی نص قطعی، کے مقابلہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کے اپنے فیصلوں اور اجتہادات کی کوئی اہمیت نہیں۔" اس کے بارے میں گذارش ہے کہ جناب کی کج فکری نے یہ مفروضہ ہی غلط تراشا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماعی و اتفاقی فیصلے قرآن کریم کی نص قطعی کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کی نص قطعی کی مخالفت ضلالت و گمراہی ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خلفائے راشدین اور تمام صحابہؓ ضلالت و گمراہی پر متفق ہو جائیں۔

باقی رہی صحابۂ کرام کے اتفاقی و اجماعی فیصلوں کی اہمیت! تو اسے قرآن کریم کی آیت:
"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ"
کے ذیل میں بیان کر چکا ہوں کہ قرآن کریم ان حضرات کے راستہ سے ہٹنے کو کفر و گمراہی قرار دیتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کی کیا اہمیت درکار ہے کہ ان کی مخالفت کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج اور "وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ" کی سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔

جن لوگوں کے قلوب کفر و الحاد سے لبریز ہوں ان کے نزدیک صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی کیا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن جس شخص کے دل میں ایمان اور سلامتی فکر کی کوئی رمق باقی ہو وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی طرح یہ کہے گا:

ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ	"خلافت راشدہ کا دور، دور نبوت
است، گویا در ایام نبوت حضرت	کا تتمہ تھا۔ دور نبوت میں آنحضرت
پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان	صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے صراحتاً
میفرمود۔ و در ایام خلافت ساکت	ارشاد فرماتے تھے۔ اور دور خلافت
نشستہ بدست وسر اشارہ میفرماید	میں خاموش بیٹھے گویا ہاتھ اور سر
(ازالۃ الخفاء ص ۲۵/۱۷)	سے اشارہ فرماتے تھے۔"

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں:

ومنصب الخلفاء عندی فوق	"اور میرے نزدیک خلفاء راشدین
الاجتهاد وتحت التشريع،	کا منصب اجتہاد سے اوپر اور تشریع
من حيث ان صاحب الشريعة	سے نیچے ہے۔ کیونکہ صاحب شریعت
امرنا باقتدائهم مطلقاً۔	صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی اقتدا
ومن هذا الباب زيادة عثمان	مطلق کا حکم فرمایا ہے۔ اور اسی
رضی الله تعالى عنه فى الاذان	باب سے ہے حضرت عثمان رضی اللہ
وجمع عمر رضی الله تعالى	تعالیٰ عنہ کا اذان جمعہ کا اضافہ کرنا۔

عنہ الناس فی التراویح	اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
خلف امام واحد۔	تراویح میں لوگوں کو ایک امام کے
(فیض الباری ۱ ـ ۱۰۹)	پیچھے جمع کر دینا"

اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین (علیہم الرضوان) کے فیصلوں کی اسلام میں کیا اہمیت ہے۔

آٹھواں شبہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل عمل کے بعد حضرات خلفائے راشدین رضی کا رجم کے حکم پر مسلسل عمل کرنا۔ ملاحدہ کے لئے سوہان رُوح بنا ہوا ہے، انہیں اپنے غلط نظریہ سے رجوع کی توفیق تو نہیں ہوتی (اور کیسے ہو جب کہ دنیا میں ان کو "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی" کی سزا مل چکی ہو) بلکہ کبھی تو ان حضرات کے فیصلوں کو اجتہادی غلطی کہہ کر اپنی "غلطیٔ اجتہاد" کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کو وقتی مصلحت پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ عمر احمد عثمانی اپنی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

"اسی کا ایک دوسرا جواب بھی ممکن ہے اور وہ ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے کہ حضرات خلفائے راشدین نے اپنے عہد میں جب کہ اہل عجم کی کافی تعداد اسلام لا چکی تھی۔ اور ان کے معاشرہ میں کافی زنا کی گرم بازاری تھی۔ حضرات خلفائے راشدین نے زنا کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اسے فساد فی الارض پر محمول کر کے سزا میں تشدید کی جائے تاکہ اس کی کثرت کا سدِ باب ہو سکے۔ (آگے محاربین کے بارے میں قرآن کریم کی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زنا کاری زمین میں فساد پھیلانے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور زمین میں فساد پھیلانے کی سزا قتل کرنا ہے۔ قتل کرنے کی صورت میں امام سنگسار بھی کر سکتا ہے..... بہر حال اس قسم کی تبدیلیاں مصلحت وقت کے مطابق کی جا سکتی ہیں۔ اور کی جاتی رہی ہیں۔ واللہ اعلم"

عمر احمد عثمانی کی تحریر میں یہ ٹیپ کا آخری بند ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے مصلحت وقت کی خاطر حکم خداوندی کو بدل ڈالا تھا ______ (اور بقول ان کے ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔

علامہ عمر احمد عثمانی صاحب علامیت کی جس بلند ترین چوٹی پر بیٹھے ہیں کہ " فقہ القرآن " لکھکر نہ صرف ائمہ اربعہ، تابعین عظام، صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ تک کی غلطیاں نکال سکتے ہیں۔ بلکہ خاکم بدہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطیوں کی بھی اصلاح کر سکتے ہیں۔ ان سے یہ توقع تو نہیں کہ اس بلند ترین چوٹی سے نیچے اتر کر مجھ ایسے کسی کم سواد طالب علم کی بات پر کان دھریں گے۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو فہم و انصاف کی توفیق عطا فرما دیں، چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

۱ ______ عثمانی صاحب کی ساری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آسمان سے زانی محصن (شادی شدہ) کے لئے سو کوڑوں کی سزا نازل فرمائی تھی۔ اور وہ قرآن میں درج بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ سزا ایسی تجویز فرمائی کہ اس کے یوم نزول سے لیکر آج تک اس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ خدا کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس حکم کے خلاف تورات پر عمل کرتا رہا۔ آپؐ کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ نے بھی یا تو غلط فہمی کی بنا پر اور یا " مصلحت وقت " سے مجبور ہو کر اس حکم کے خلاف عمل کیا۔ اور خلافت راشدہ کے پورے دور میں ایک بار بھی اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ خلفائے راشدین کے بعد خلفائے اسلام اور ائمہ مجتہدین بھی مشرق سے مغرب تک اس پر متفق ہو گئے کہ زانی محصن کی سزا رجم ہے اور قرناً بعد قرنٍ آج تک شرق و غرب کے اہل علم اسی کے قائل چلے آتے ہیں ____ میں عثمانی صاحب ہی سے انصاف چاہتا ہوں ____ اگر اللہ تعالیٰ ان کو فہم و انصاف عطا فرمائیں ____ کہ خدا تعالیٰ کو ایسا حکم نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی جس پر نہ اس کا رسولؐ عمل کرے۔ نہ خلفائے راشدین۔ اور نہ بعد کے ائمہ دین و مجددین امت؟ ____ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اس بات کو تو آپ " ناقابل فہم " فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا حکم اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا لیکن اس کی تلاوت کو باقی رکھا۔ لیکن جو صورت آنجناب رقم فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم تو نازل فرما دیا لیکن پوری کی پوری امت کو مع اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس پر عمل سے محروم رکھا، گویا عملاً

آیت منسوخ و معطل رہی۔ اور اس پر ایک دن بھی عمل نہیں ہوا۔ یہ صورت جناب کے فہم عالی کے کس طرح "قابل فہم" ہو گئی؟

۲ ـــــ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ رجم سے بچنے کے لئے آپ حضرات خلفائے راشدینؓ اور امّت اسلامیہ کا جو نقشہ کھینچ رہے ہیں کوئی کٹر سے کٹر رافضی اور کوئی جلا بھنا مستشرق یہودی اس سے بدتر نقشہ کیا کھینچ سکتا ہے؟ کیا انہی حضرات کو اللہ تعالیٰ "خیر امّت" کا خطاب دے رہا ہے جو خدا کے حکم کو (جو بقول آپ کے نصِ قطعی میں وارد ہے) مصلحت وقت پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور انہیں ایک دن کے لئے بھی حکم الٰہی پر عمل کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔؟

۳ ـــــ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ زنا فساد فی الارض کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ (میں آپ کی اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ بلکہ اخلاقی لحاظ سے زنا کو فساد فی الارض سے زیادہ سنگین سمجھتا ہوں) پس اگر خدا تعالیٰ نے خود ہی فساد فی الارض کا سدباب کرنے کے لئے سنگساری کی سزا تجویز فرمادی ہو تو یہ بات آپ کی عقل شریف میں کیوں نہیں آتی۔

۴ ـــــ آپ فرماتے ہیں کہ کثرت زنا کو روکنے کے لئے حضرات خلفائے راشدینؓ نے سنگساری کی سزا تجویز کرلی۔ سوال یہ ہے کہ یہ سزا اس جرم کے لئے موزوں تھی یا غیر موزوں؟ اور اس سے زنا کا سدِباب ہوا یا نہیں؟ اگر یہ سزا اس جرم کے لئے موزوں نہیں تھی۔ اور نہ اس سے زنا کا سدِباب ہی ہوا تو قرآن کریم کا حکم کا تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ حضرات ظلم و جور کے بھی مرتکب ہوئے۔ اس صورت میں تو ان کو "حضرات خلفائے راشدین" نہیں، بلکہ ـــــ نعوذ باللہ ـــ خلفائے جائرین کہنا پڑے گا۔

اور اگر یہ سزا (سنگساری) جرم زنا کے لئے موزوں تھی۔ اور اسی سے اس جرم کا سدِباب ہو سکتا تھا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کوڑوں کی سزا ناکافی اور غیر موزوں تھی اور اس سے جریمۂ زنا کے انسداد کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اب یہ فرمائیے کہ موزونیت و غیر موزونیت کا جو ٹھیک ٹھیک اندازہ "حضرات خلفائے راشدین" نے (بقول آپ کے مصلحت وقت کے لئے) لگایا کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کو اس کا علم نہیں تھا۔ اور وہ مصلحت و موزونیت

کو اتنا بھی نہیں جانتا تھا جتنا کہ حضرات خلفائے راشدین کو علم تھا۔ ؟ اگر سنگساری ہی زانیٔ محصن کے مناسب و موزوں سزا تھی تو خدا تعالیٰ نے اس کا حکم کیوں نہ دیا ؟

۵ ــــــ آپ نے یہ افسانہ تو تراش لیا کہ اہل عجم کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے یکایک صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اور اس کی وجہ سے "حضرات خلفائے راشدین" حکم الٰہی کو بدلنے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن ذرا اس پر غور فرمائیے کہ کیا یہ صورت حال منٹوں سیکنڈوں میں بدل گئی تھی ؟ اور صورت حال کی تبدیلی سے پہلے زنا کا کوئی مقدمہ ہی پیش نہیں ہوا ؟ ظاہر ہے کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ صورت حال میں آناً فاناً تبدیلی نہیں آئی۔ اور یہ بھی نہیں کہ آپ کی مفروضہ صورت سے پہلے زنا کا کوئی مقدمہ ہی نہ آیا ہو، تو اس صورت میں تو حضرات خلفائے راشدین" کو رجم کا حکم نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ بقول آپ کے قرآنی سزا جاری کرنی چاہئے تھی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی رجم ہی کا حکم فرمایا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنجناب نے "مصلحتِ وقت" کا جو افسانہ تراشا ہے وہ سراسر لغو ہے۔

۶ ــــــ اس پر بھی غور فرمائیے کہ زنا کی کثرت قبل از اسلام عرب میں عجم سے زیادہ تھی۔ اگر کثرت زنا کو روکنے کے لئے رجم ہی کی سزا کارگر ہے تو آپ کو تسلیم کرنا چاہئے کہ یہ سزا صرف عجمیوں کے لئے وضع نہیں کی گئی۔ بلکہ ابتدائے تشریع سے یہی سزا مِن جانب اللہ مقرر تھی۔

۷ ــــــ یہ بھی خود تراشیدہ افسانہ ہے کہ عجمیوں کے مسلمان ہونے سے صحابہ کرامؓ کے دور میں زنا کی کثرت ہوگئی تھی۔ یہ نہ صرف صدر اول کے اسلامی معاشرہ کی غلط تصویر کشی کر کے اس کا حلیہ بگاڑنا ہے۔ بلکہ واقعات و شواہد بھی اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس لئے کہ تیس سالہ دور خلافت میں پورے اسلامی معاشرہ میں زنا کے جو واقعات پیش آئے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ اور شاید ان کی تعداد ایک ڈیڑھ درجن سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اتنی بڑی قلمرو میں تیس سال کے طویل عرصے میں چند گنے چنے واقعات پیش آجانے کو زنا کی کثرت کہنا نہایت غلط ہے۔ اور پھر اس پر احکام خداوندی کو تبدیل کر ڈالنے کی عمارت کھڑی کر لینا عقل و ایمان دونوں کا ماتم ہے۔

۸ ــــــ اور اگر جناب عثمانی صاحب کے اس مفروضہ کو مِن و عن تسلیم کر لیا جائے تب بھی سوال

پیدا ہوتا ہے کہ زنا کی کثرت، جو فساد فی الارض کا بڑا ذریعہ ہے، آج کے دور میں خلفائے راشدین کے دور سے کچھ کم ہے؟ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں طویل و عریض اسلامی قلمرو میں زنا کے جتنے واقعات رونما ہوئے آج کسی صوبے کے چھوٹے سے چھوٹے ضلع میں ان سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ اور تیس سال کی طویل مدت میں جتنے واقعات ہوئے آج تیس دن کی مختصر مدت میں ان سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ پس جب کثرت زنا کا سدّ باب کرنے کے لئے حضرات خلفائے راشدین نے سنگساری کا حکم فرمایا تو آج جب کہ زنا کی کثرت اس زمانہ کی نسبت سیکڑوں گنا زیادہ ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے جناب عثمانی صاحب زنا اور فساد فی الارض کو فروغ دینے کے متمنی ہیں؟

۹ ــــــ عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ مصلحت کی بنا پر قرآنی احکام میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں، خالص پرویزی نظریہ ہے، قرآن کریم کا ارشاد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ ہے:

قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ۔

"اے نبی! کہہ دیجئے کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔"

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حکم خداوندی کو اپنی رائے سے تبدیل نہیں فرما سکے تو کسی مومن کو کب یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآنی احکام میں مصلحت کی آڑ لیکر تبدیلیاں کر ڈالے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؓ کے بارے میں یہ تصور اور بھی زیادہ سنگین ہے۔

جہاں تک مصالح کا تعلق ہے احکام خداوندی میں خود ہی بندوں کی پوری پوری مصلحت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ انسانی عقل، خدا سے زیادہ مصلحت کی رعایت کر سکے۔ اس لئے "مصلحت" کی آڑ میں حکم خداوندی کو بدلنے کا نظریہ کھلا کفر و الحاد ہے۔

اس موضوع پر ترکی خلافت کے آخری نائب شیخ الاسلام شیخ محمد زاہد الکوثری کا ایک مقالہ

" مقالات کوثری " میں شامل ہے ۔جس کا خلاصہ " شریعت الٰہی " کے عنوان سے ماہنامہ بیّنات بابت صفر المظفر ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا تھا ۔ یہ پورا مقالہ لائق مطالعہ ہے ، عمر احمد عثمانی کے اس نظریہ کے ابطال میں کہ " ایسی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ۔ اور ہوتی رہیں گی " اس کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں ۔ شیخؒ لکھتے ہیں :-

" اپنی خواہشات کے مطابق شریعت مطہرہ کو ڈھانے کے لئے ایک گمراہ کن نعرہ ان لوگوں کی طرف سے یہ لگایا جاتا ہے کہ :

" معاملات وغیرہ میں شرعی قوانین کی بنیاد مصلحت پر ہے ۔ اگر نص مصلحت کے خلاف ہو تو نص کو چھوڑ کر مصلحت پر عمل کرنا ہی عین تقاضائے دین ہے "

اس شخص کی بدفہمی پر ماتم کرنا چاہیئے جو اس قسم کی بات مُنہ سے نکالتا ہے ۔ اور اپنی " جدید شریعت " کے لئے اسے بنیاد بناتا ہے ۔ یہ " مصلحت " کے نام پر شریعت کو درہم برہم کرنے اور محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کی سازش ہے ۔ اس فاجر سے ذرا پوچھیئے کہ مصلحت سے ، جس پر تم " نئے دین " کی بنیاد رکھنا چاہتے ہو ، کونسی مصلحت مراد ہے ۔ اگر اس سے مراد " مصلحت شرعیہ " ہے تو اس کے معلوم کرنے کا راستہ معتزلہ تک کے نزدیک بھی (جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عقل کو حاکم مانتے ہیں) وحی کے سوا کچھ نہیں ..... اور اگر اس مصلحت سے مراد دنیوی مصلحت ہے جس کا اندازہ مختلف سطح پر ہوتا ہے ۔ تو ایک مسلمان کی نظر میں نص شرعی کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں ۔ کیونکہ عقل بعض اوقات مفسدہ کو بھی مصلحت بنا ڈالتی ہے ۔ جبکہ شریعت اس نقص سے پاک ہے ۔ اور اگر اس سے مراد وہ " مصالح مرسلہ " ہیں جو اصول فقہ اور قواعد کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں تو باتفاق علماء ان کا اعتبار صرف اس صورت میں کیا جاتا ہے جہاں نص شرعی موجود نہ ہو ۔ اس لئے نصوص کے مقابلے میں ان کا اعتبار

لغو ہے ۔"

""آخر کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ مصلحت دلائل شرعیہ سے ٹکرا بھی سکتی ہے ۔
اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف نہیں ۔
گویا یہ مصلحت تراشنے والے اس کو خدا سے بھی زیادہ جانتے ہیں ۔ یہ تصور ہی کب
ممکن ہے کہ جو احکام خداوندی ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجے گئے وہ
بندوں کی مصلحتوں کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں ۔ استغفراللہ ۔ یہ تو کھلا
الحاد ہے ۔ جو شخص اس قسم کی یاوہ گوئی پر کان دھرتا ہے اسے نہ دین کا کوئی حصہ
نصیب ہے ، نہ علم کا ۔" (بینات صفر المظفر ۸۸ھ ص ۲۵/۲۶)

شیخ رح نے سلطان نورالدین زنگی رح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے ، جو عثمانی صاحب اور ان کے
ہمنواؤں کے لئے موجب صد عبرت ہے :

" حافظ ابو شامہ مقدسی نے (ازھار الروضتین فی اخبار الدولتین" میں)
ذکر کیا ہے کہ سلطان نورالدین شہید ـــــ وہ خدا ترس بادشاہ جس کی نظیر مسلمان
بادشاہوں میں بھی کم ملے گی ـــــ جب سریر آرائے سلطنت ہوئے اس وقت
ملک کی حالت اتنی ابتر تھی جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ، عقلائے دولت اصلاحِ
حال کی تجاویز سوچنے لگے ، آخر انہوں نے یہ طے کیا کہ مفسدین کا قلع قمع کرنے کے
لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ جس شخص کے جرم کا شرعی ثبوت مل جائے اس پر شرعی
سزا نافذ کر دی جائے اور بس ۔ بلکہ ضروری ہے کہ محض شبہ کی بنا پر لوگوں کو
سخت ترین تعزیری سزائیں دی جائیں تاکہ امن قائم ہو جائے اور حالات معمول
پر آجائیں ، ان لوگوں نے اس زمانے کے مشہور عالم شیخ عمر موصلی سے درخواست
کی کہ ان کا یہ صائب مشورہ بادشاہ سلامت کے گوش گذار کر دیں کیونکہ شیخ موصلی کی
بادشاہ سے دیرینہ بے تکلفی تھی ۔ چنانچہ شیخ نے ان کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے
دربار عالی میں ایک عریضہ پیش کیا جس میں ان دانشوروں کی یہ رائے درج تھی کہ

ملزموں کے جرم کے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر، ان پر سخت سزائیں جاری کی جائیں، بادشاہ نے عریضہ پڑھکر اس کی پشت پر لکھ دیا:

"یہ ناممکن ہے کہ میں ایسے شخص کو سزا دوں جس کے جرم کا شرعی ثبوت نہیں، اور ناممکن ہے کہ میں ایسے شخص کی سزا سے چشم پوشی کروں جس کے جرم کا شرعی ثبوت موجود ہے، آپ کے مشورہ پر عمل کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ گویا ــــ معاذ اللہ ــــ میں اپنی عقل کو علم خداوندی پر ترجیح دیتا ہوں۔

اگر شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) انسانوں کی اصلاح کے لئے کافی نہ ہوتی، تو اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شریعت دے کر نہ بھیجتا۔"

بادشاہ نے یہ لکھکر وہ عریضہ شیخ کو واپس کر دیا، شیخ نے جب فرمان شاہی پڑھا تو بہت روئے اور کہا: صد افسوس! معاملہ الٹ گیا جو بات بادشاہ نے کہی ہے وہ مجھے کہنی تھی، شیخ نے اس سے توبہ کی۔ نور الدین زنگی بدستور شرعی قوانین پر عمل پیرا رہے تھوڑے ہی دنوں بعد ملک کی حالت بہتر ہوگئی فتنہ و فساد ختم ہوگیا اور ملک میں ایسا امن قائم ہوا کہ کوئی حسین ترین عورت اپنے ساتھ قیمتی زر و جواہر لیکر تن تنہا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوم جائے تو کسی کے دل میں یہ خیال تک نہیں آتا تھا کہ وہ اس کے مال یا آبرو پر ہاتھ ڈالے۔" (ماہنامہ بینات ص۲۲/۲۳)[1]

خلاصہ یہ کہ عثمانی صاحب (اور دیگر ملاحدہ) کا یہ کہنا کہ "مصلحت" کے پیش نظر شریعت الٰہی کو بدلا جاسکتا ہے، حرف باطل ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ حضرات خلفائے راشدین ایسا کرتے تھے۔ نہ صرف دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ ان اکابر پر تہمت بے جا بھی ہے۔ جسے سنکر "سبحانک ھذا بھتان عظیم" کی تلاوت کرنی چاہئے۔

---

[1] تفصیل کے لئے مقالات کوثری ص۱۲۵ اور مابعد کا مطالعہ کیجئے۔

دیگر ملاحدہ کے شبہات:

یہ تو وہ شبہات تھے جو عمر احمد عثمانی نے اپنے مضمون میں ذکر کئے۔ اور جن کو ملاحدہ کا ٹولہ مختلف عنوانات سے دہراتا رہتا ہے، مناسب ہوگا کہ بعض وہ شبہات بھی ذکر کئے جائیں جن کو مختلف ملحدین نے پیش کیا ہے۔ اور جنہیں بالکل مہمل سمجھ کر عثمانی صاحب نے چھوڑ دیا ہے۔

پہلا شبہ: مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعرات کے دن "شراحہ" نامی ایک خاتون کو سو کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن اسے رجم کیا۔ اور فرمایا کہ "میں نے اسے کتاب اللہ کے مطابق کوڑے لگوائے ہیں۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رجم کیا ہے" قادیانیوں کی لاہوری شاخ کے سابق سربراہ مسٹر محمد علی لاہوری نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رجم قرآنی سزا نہیں۔ اسی کے ساتھ وہ اس سے بھی منکر ہیں کہ یہ سزا سنت سے ثابت ہے۔ بیان القرآن میں لکھتے ہیں:

" نہ صرف عقل ہی بالبداہت اس بات کو (کہ قرآن میں کوئی حکم نازل ہو اور بعد میں اس کے الفاظ منسوخ ہو جائیں۔ لیکن حکم باقی رہے) غلط ٹھہراتی ہے۔ بلکہ صحابہؓ میں سے حضرت علی جیسے انسان کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب ایک شادی شدہ عورت "شراحہ" پر جلد اور رجم دونوں کا حکم دیا۔ اور فرمایا کتاب اللہ کے ساتھ میں نے اسے جلد کیا۔ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ رجم کیا۔ اگر کتاب اللہ کی آیت کا حکم باقی ہوتا تو حضرت علی کس طرح اس سے بےخبر رہ سکتے تھے۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا رجم واقعی سنت رسول اللہ ہے؟ اور اس نے کتاب اللہ کے حکم کو دربارہ محصن منسوخ کر دیا ہے؟ ..... لیکن سنت قرآن کو منسوخ کر دے یہ بات ناقابل تسلیم ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک حکم نازل کرتا ہے، رسول صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے خلاف

حکم دیتے ہیں "۔ (صـ ۱۳۳۶/۳۷)

مسٹر محمد علی نے جو کچھ لکھا ہے اس پر نظر کرنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ اس کے قائل ہیں کہ زانی محصن کی سزا صرف رجم ہے۔ اہل ظاہر اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ اس پر جلد اور رجم دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ پہلے اسے سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس کے بعد سنگسار کیا جائے گا۔ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے "شراحہ" کو پہلے کوڑے لگائے۔ اور پھر رجم کیا۔ جمہور ائمہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا معلوم نہیں ہوا ہوگا، اس لئے پہلے کوڑے لگوائے اور معلوم ہو جانے کے بعد اس کو رجم فرمایا۔ جیسا کہ اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پیش آچکا تھا، ورنہ زانی محصن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدینؓ نے ہمیشہ رجم ہی کیا ہے۔ اسے کوڑوں کی سزا کبھی نہیں دی گئی۔

اس تمہید کے بعد اب لاہوری صاحب کے شبہات کو لیجیئے۔ وہ رجم کے حکم کے باقی رہنے اور آیت کی تلاوت کے منسوخ ہو جانے کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ اس کا جواب میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اگر یہاں عقل سے ان بے دین ملاحدہ کی عقل مراد ہے۔ تو خدا کی شریعت ان کی عقل کی پابند نہیں۔ اور اگر عقل سے عقل صحیح اور عقل ایمانی مراد ہے تو اس کو خلاف عقل کہنا غلط ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ دینؒ اس کے قائل رہے ہیں۔ اور ان میں سے کسی نے اس کو خلافِ عقل نہیں کہا۔

رہا لاہوری صاحب کا یہ شبہ کہ "صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ جیسے انسان کی شہادت اس کے خلاف ہے"

تو اس کا جواب اوپر کی تمہید سے معلوم ہو چکا ہے کہ انہوں نے "شراحہ" کو غیر محصنہ سمجھ کر کوڑے لگوائے تھے۔ اور اس کو قرآنی حکم فرمایا۔ اور جب معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے تو اس کو رجم

کیا۔ اور اسے سنّتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا ــــــ اب ذرا عقل و فہم سے کام لیکر سوچئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کس کے خلاف ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ قرآن میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا مذکور ہے۔ شادی شدہ کی سزا قرآن میں مذکور نہیں۔ بلکہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور وہ رجم ہے۔ اہل حق بھی اسی کے قائل ہیں کہ سزائے رجم قرآن کریم میں صراحتہً مذکور نہیں۔

سورۃ النور میں صرف غیر شادی شدہ زانیوں کی سزا مذکور ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد تو اہل حق کی تائید میں ہے۔ اور ان ملاحدہ کے دعوے کی تردید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ سورۃ النور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کے لئے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب نہ سمجھنے ہی کا نتیجہ ہے کہ لاہوری صاحب کے قلم سے یہ گستاخانہ فقرہ نکلتا ہے: "اس کے معنٰی تو یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک حکم نازل کرتا ہے، رسول صلعم اس کے خلاف حکم دیتے ہیں"

موصوف کی خود غرضی کا تماشا دیکھو کہ بڑے دھڑلے سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد یہ کہکر نقل کرتے ہیں کہ: "صحابہ میں سے حضرت علی جیسے انسان کی شہادت اس کے (رجم) کے خلاف ہے" لیکن دوسرے ہی سانس میں وہ "حضرت علی جیسے انسان کی شہادت" کو یہ کہکر جھٹلا دیتے ہیں: "اس کے معنٰی تو یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک حکم دیتا ہے۔ رسول صلعم اس کے خلاف حکم دیتے ہیں" یہ تو میں عرض کر چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم قرآن کریم کے خلاف نہیں۔ اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد ہی کا یہ مطلب ہے کہ قرآن نے تو زانیٔ محصن کی سزا سو کوڑے فرمائی تھی لیکن ــــ نعوذ باللہ ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزائے رجم میں تبدیل فرمادیا، یہاں قارئین کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جس ارشاد کو لاہوری صاحب اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں خود ہی اس کی تردید بھی کر رہے ہیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ان کے نزدیک غلط ہے تو اس کو بطور دلیل پیش کرنے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کیوں؟

رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے قرآن کا کوئی حکم منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ یہ مسئلہ اپنی جگہ دلائل کی روشنی میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ جس کو شوق ہو اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ مگر یہاں یہ سوال ہی بے محل ہے۔ اس لئے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ صرف اتنا بتایا ہے کہ سورۂ النور کی آیت کا حکم ہر زانی کے لئے نہیں بلکہ صرف غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے ہے۔ شادی شدہ زانی کا حکم یہاں مذکور نہیں ــــ فرمایئے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر ایمان رکھتے ہوں کیا وہ آپؐ کو اتنا حق بھی نہیں دیں گے کہ آپ کسی آیت کی تشریح و توضیح فرما دیں۔ اور قرآنی حکم کی وسعت کے حدود متعین فرمادیں؟

اب میں مختصراً "نسخ قرآن بذریعہ سنت" کے مسئلہ پر اہل فہم کو غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں ــــ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے امت کو ملا ہے۔ فرض کیجئے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ اور کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرمائیں کہ اب یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُن کر قرآن کو قرآن مانا۔ کیا آپؐ ہی کی زبان سے اس کا منسوخ ہونا سُن کر اسے نہیں مانیں گے۔ اور نعوذ باللہ یہ کہیں گے کہ آپ غلط کہتے ہیں ؟ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے اس کے خلاف عمل کرتے دیکھیں گے تو کیا وہ لاہوری صاحب کی طرح یہ کہیں گے کہ خدا تعالیٰ آپؐ کو ایک حکم دیتا ہے اور آپؐ اس کے خلاف عمل کرتے ہیں ؟ نہیں بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو دلیل نسخ سمجھیں گے۔ اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے حکم کے خلاف کوئی عمل کریں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے عینی شاہد تھے، ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی اسی طرح قطعی تھے۔ جس طرح کہ قرآن کریم ــــ کیونکہ دونوں کا ایک ہی مصدر و منبع تھا۔ اور صحابہؓ ایک زبان وحی ترجمان سے دونوں کو سُن رہے تھے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کے حق میں یہ دونوں یکساں

قطعیت کے حامل تھے ۔ لہٰذا ان کے لئے یہ دونوں باتیں برابر تھیں کہ قرآن کا حکم قرآن کریم سے منسوخ کردیا جائے ۔ یا سنّت مطہرہ کے ذریعہ ۔ اگر ایک جائز ہے (اور یقیناً جائز ہے) تو بلاشبہ دوسری بات بھی جائز ہے ۔

بعد کی امّت کے پاس قرآن کریم تو قطعیت اور تواتر کے ساتھ پہنچا ہے ۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے افعال بعض تواتر و توارث کے ذریعہ پہنچے ہیں، اور بعض اخبار آحاد کے ذریعہ ۔ اخبار آحاد میں چونکہ قطعیت نہیں پائی جاتی اس لئے کسی خبر واحد سے قرآن کریم کے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا (اِلّا یہ کہ اس خبر واحد پر امّت کا اجماع منعقد ہو جائے ۔ اجماع قطعی چیز ہے اس لئے سنداِجماع بھی قطعی و یقینی قرار پائے گی) مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو قول و فعل تواتر و توارث سے ثابت ہو (خواہ تواتر اسناد ہو یا تواتر طبقہ عن طبقہ ۔ یا تواتر تعامل و توارث ۔ یا تواتر قدر مشترک) اس سے نسخ ثابت ہو سکتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم کے کسی حکم کے لئے سنّتِ نبوی کا ناسخ ہونا بذات خود تو ایسی چیز نہیں کہ ناقابلِ فہم ہو ۔ البتہ بحث اگر ہو سکتی ہے تو سنّت کے ثبوت میں ہو سکتی ہے ۔ پس اگر سنّت کا ثبوت قطعی و یقینی ہو تو اس کا ناسخ حکم قرآنی ہونا ذرا بھی محل اشکال نہیں ۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم کا حکم غیر منسوخ ہو ۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف کریں ۔

ہمارے زیر بحث مسئلہ میں اوّل تو سنّت قرآن کریم کے حکم کے لئے ناسخ ہی نہیں ۔ بلکہ اس کی مُبیّن اور شارح ہے ، جو اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ سورۃ النور کی آیت صرف غیر شادی شدہ زانی کے بارے میں ہے ، شادی شدہ زانی سے متعلق نہیں ۔ لیکن اگر اسے ناسخ بھی فرض کر لیا جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ ناقابلِ تردید تواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدۃ العمر رجم فرماتے رہے ۔ آپؐ نے کبھی ایک زانی محصن پر بھی رجم کو چھوڑ کر کوڑوں کی سزا جاری نہیں کی ۔ اور یہ بات اس درجہ قطعی و یقینی ہے کہ مسٹر لاہوری ایسا ملحد بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور رہے کہ :

"یہ سچ ہے کہ احادیث میں سزائے رجم کا ذکر ہے ۔"

اگرچہ وہ اس "سچ" کو یہ کہہ کر جھوٹ کے پردے میں چھپانا چاہتا ہے کہ:

"مگر یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک خاص رجم کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد کا ہے۔" (حوالہ مذکور)

مسٹر صاحب کو یقین آئے یا نہ آئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدّۃ العمر رجم کیا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو فرماتے ہیں:

رجمتها بسنّة رسول الله صلى الله عليه وسلّم۔ "میں نے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق رجم کیا۔"

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو فرماتے ہیں:

رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی آپؐ کے بعد رجم کیا۔"

تو یہ حضرات اسی یقین کی بنیاد پر فرما رہے ہیں کہ آپؐ نے سورۃ النور کے بعد بھی رجم فرمایا۔ ورنہ اس یقین کے بغیر وہ آپؐ کی اس سنّت پر عمل پیرا کیوں ہوتے؟

دوسرا شبہ:

مسٹر محمد علی لاہوری مزید لکھتے ہیں:

"تیسری بات جو اس بارہ میں کہی جاتی ہے وہ اجماع ہے۔ اجماع[۱] اصل میں کوئی دلیل نہیں۔ اور[۲] کم از کم اس پر تو اتفاق ہے کہ اجماع ناسخ نہیں۔ اور[۳] یہاں بغیر نسخ کے کام نہیں بنتا۔

اور[۴] دوسری بات یہ ہے کہ رجم پر اجماع کیونکر کہا جا سکتا ہے جب صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کہتے تھے کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں۔ اس لئے سزائے رجم نہیں دی جا سکتی۔ ان اُناسًا

یقولون ۔ ماالرجم فی کتاب اللہ ۔ وانما فیہ الجلد ۔ یہ روایت احمد کے الفاظ ہیں ۔ مروان کے سامنے بھی کوئی ایسا ہی ذکر ہوا ۔ پھر عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بھی یہی قصہ پیش آیا ۔ پھر خوارج سارے کے سارے رجم کے منکر ہیں۔ تو اسے اجماع کہنا صحیح نہیں ۔" (حوالۂ مذکور)

زانیٔ محصن کے رجم پر پوری امّت کا اجماع ہے ، اور امّتِ اسلامیہ میں ایک بھی لائق اعتبار شخصیت اس کی منکر نہیں ۔ مسٹر لاہوری نے اجماع کو مشکوک ٹھہرانے کے لئے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک ایک فقرہ (جن پر میں نے نمبر ڈال دئے ہیں) غلط ہے ۔

(۱) موصوف کا یہ کہنا " اجماع اصل میں کوئی دلیل نہیں" بالکل غلط اور مہمل بات ہے ۔ اہلِ حق کے نزدیک اجماع حجّتِ شرعیہ ہے ۔ خصوصاً صحابہ کرام کا اجماع حجّتِ قطعیہ ہے ۔ اس پر تفصیلی بحث پہلے گذر چکی ہے ۔ بہرحال اجماع کی اہمیت کو وہی شخص ساقط کر سکتا ہے جو دین و عقل دونوں سے محروم ہو ۔

(۲) موصوف کا یہ کہنا کہ "کم از کم اس پر تو اتفاق ہے کہ اجماع ناسخ نہیں" زیرِ بحث مسئلہ میں اول تو یہ بحث ہی غلط ہے کہ اجماع ناسخ ہوتا ہے یا نہیں ۔ کیونکہ یہاں یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ اجماع نے فلاں حکم کو منسوخ کر دیا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سزائیں بیک وقت نافذ فرمائی ہیں ۔ شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا ۔ اور غیر شادی شدہ کے لئے کوڑوں کی سزا ۔ ناسخ منسوخ کی بحث تو اس وقت جاری ہو سکتی تھی جب کہ پہلے کسی زمانے میں ان دونوں قسم کے مجرموں کو ایک ہی سزا دی جاتی رہی ہو ۔ اور پھر ان میں سے ایک قسم کے بارے میں وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو ۔ اور اس کی جگہ نیا حکم نافذ کیا گیا ہو ۔ مگر ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں ایک دن کیلئے بھی ایسا نہیں ہوا ، اس لئے یہاں ناسخ منسوخ کی بحث ہی بے محل ہے ۔

علاوہ ازیں جہاں اس پر اتفاق ہے کہ اجماع سے کوئی حکم شرعی منسوخ نہیں ہو سکتا ۔ وہاں اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی حکم شرعی کے خلاف اجماع منعقد ہی نہیں ہو سکتا ۔ ناممکن ہے کہ امّت گمراہی پر متفق ہو جائے ۔ شرعی حکم تو جب بھی منسوخ ہو گا ۔ قرآن و سنّت کی کسی نص ہی سے ہوگا ۔

لیکن کسی مسئلہ پر اجماع منعقد ہو جانا ہی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اہل اجماع کے پاس قرآن و سنّت کی کوئی سند ضروری ہوگی۔ کیوں کہ اس کے بغیر اجماع منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ "سندِ اجماع" کبھی ایسی ظاہر و باہر ہوتی ہے کہ ہر عام و خاص کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسی خفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک مجتہدین اہل اجماع ہی کو ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کو نہیں۔

الغرض یہ صحیح ہے کہ اجماع بذات خود کسی حکم شرعی کو منسوخ نہیں کرتا۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ کسی مسئلہ میں اجماع کا منعقد ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اگر کوئی مسئلہ اس کے خلاف ہے تو وہ کسی نص شرعی سے منسوخ ہے۔

(۳) موصوف کا یہ کہنا کہ "یہاں بغیر نسخ کے کام نہیں بنتا" یہ بھی سراسر غلط ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ آیت النور کو حکم رجم سے منسوخ کہنے کی حاجت نہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت متواترہ، خلفائے راشدین کے تعامل، صحابہ کرامؓ کے اجماع اور امّت کے تعامل و توارث کی روشنی میں یہ آیت غیر شادی شدہ زانی کے لئے مخصوص ہے۔

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے جو الفاظ موصوف نے نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "لہٰذا رجم کی سزا نہیں دی جا سکتی" اس پر عارف رومیؒ کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے:

ع: "ہر چہ گیرد علّتی علّت شود"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اس آخری خطبہ میں بڑی شدّ و مدّ کے ساتھ رجم کی قطعیت کا اثبات فرما رہے ہیں۔ لیکن لاہوری صاحب اسی خطبہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ رجم پر اجماع نہیں۔ لہٰذا رجم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اِنّا للّٰہ۔

اگر موصوف کو عقل سلیم نصیب ہوتی تو وہ استدلال سے پہلے مندرجہ امور پر غور فرما لیتے:

اوّل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں مختلف طرق و اسناد سے یہ لفظ منقول ہے کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ گذر جانے پر لوگ یہ کہیں گے کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے"۔ ان روایات کی روشنی میں مسندِ احمد کی روایت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں مضارع

حال کے معنی میں نہیں۔ بلکہ مستقبل کے معنی میں ہے، یا آئندہ ہونے والے واقعہ کو مستحضر کر کے اسے بصیغہ حال تعبیر کیا گیا۔

دوم : اور اگر فرض کر لیا جائے کہ کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں ایسے پیدا ہو گئے تھے تو اول تو یہی معلوم نہیں کہ وہ کون لوگ تھے۔ عالم تھے یا جاہل؟ کیا ایسے لوگوں کا قول بھی اجماع میں قادح ہوتا ہے؟ آخر صبیغ نامی ایک شخص بھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں تھا۔ جو الٹی سیدھی باتیں لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مدینہ بلوا کر کھجور کی شاخیں مار مار کر اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ اور پھر جب تک اس نے سچی توبہ نہیں کر لی۔ لوگوں کا میل ملاپ اس سے بند کر دیا تھا۔ کیا لاہوری صاحب کے نزدیک ایسے لوگوں کے بغیر بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا؟

ثالثاً : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان کے قول کو نقل کر کے اس کی پرزور تردید کر دی تو کیا کسی عاقل کے نزدیک ایک مردود قول بھی لائق اعتبار ہے کہ اسے اجماع میں قادح تصور کیا جائے۔ اگر یہی منطق ہے تو قرآن و حدیث میں کفار و فجار کے جو اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان کو بھی لائق اعتبار قرار دے کر اپنے استدلال میں ٹانک لیا کیجئے۔

(۵) موصوف کس بھولے پن سے فرماتے ہیں کہ "مروان کے سامنے بھی کچھ ایسا ہی ذکر ہوا"۔ اس سے آگے یہ بھی نقل کر دیا جاتا کہ اس ذکر مذکور کا نتیجہ کیا نکلا تھا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور جو دور صدیقی و عثمانی میں مصاحف لکھنے کی خدمت پر مامور رہے انہوں نے خود اپنی شہادت سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رجم کا حکم من جانب اللہ نازل ہوا تھا۔ فرمائیے اس کے بعد اس ذکر مذکور کی کیا قیمت رہ گئی۔

(۶) فرماتے ہیں " پھر عمر بن عبدالعزیز کے سامنے بھی یہی قصہ پیش آیا "۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہوتا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۂ راشد نے اس کو نماز روزے کی طرح قطعی قرار دیا۔

علامہ ابن قدامہ المغنی (۸ - ۱۵۹) میں لکھتے ہیں :

" خوارج کا وفد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا انہیں حضرت عمر پر جو اعتراضات تھے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ تھا ۔ اس پر فریقین کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی :

خوارج : ہم کتاب اللہ میں رجم کی سزا نہیں پاتے ، اس میں تو صرف کوڑوں کی سزا ہے ۔ نیز تم لوگ حائضہ عورت کو روزوں کی قضا کا تو حکم کرتے ہو مگر نماز کی قضا واجب نہیں سمجھتے ۔ حالانکہ نماز ، روزے سے زیادہ تاکید رکھتی ہے ۔

حضرت عمر : تم بس اسی کے قائل ہو جو کتاب اللہ میں ہو ؟

خوارج : جی ، ہاں !

حضرت عمر : اچھا یہ بتاؤ کہ فرض نمازوں کی تعداد ' ان کے ارکان ' ان کی رکعات ، ان کے اوقات قرآن میں کہاں ذکر کئے گئے ہیں ۔ اور یہ بتاؤ کہ اموال زکوٰۃ کی تفصیل زکوٰۃ کی مقداریں ، اور زکوٰۃ کا نصاب قرآن کریم میں کہاں مذکور ہے ۔

خوارج : ذرا ہمیں مہلت دیجئے ۔

(چنانچہ سارا دن قرآن کریم میں ان چیزوں کو تلاش کرتے رہے ۔ مگر نہیں ملیں تو واپس آکر کہنے لگے)

خوارج : یہ چیزیں تو ہمیں قرآن میں نہیں ملیں ۔

حضرت عمر : جب یہ قرآن میں نہیں ۔ تو تم ان کے کیسے قائل ہوئے ۔

خوارج : اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ایسا ہی کیا ہے ۔

حضرت عمر : تو پھر رجم اور حائضہ کے لئے روزے کی قضا کی بھی یہی نوعیت ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے رجم کیا ۔ تب سے مسلمان رجم ہی کرتے آئے ہیں ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو روزے کی قضاء کا حکم فرمایا ۔ مگر نماز کی قضا کا نہیں فرمایا ۔ آپ کے ازواج

مطہراتؓ اور آپ کے صحابہ کی عورتوں نے اسی پر عمل کیا ''۔

یہ ہے وہ واقعہ جس کو مسٹر لاہوری اپنے استدلال میں پیش کر رہے ہیں ۔

(۷) موصوف فرماتے ہیں : '' پھر خوارج سارے کے سارے رجم کے منکر ہیں تو اسے اجماع کہنا صحیح نہیں '' ۔ یہ ایک ایسی مہمل اور لایعنی بات ہے کہ اس کی تردید کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اجماع میں اہل علم اور اہل اجتہاد کا اتفاق معتبر ہے ۔ جاہل ، گمراہ اور ملحدین کے قول کا اعتبار نہیں ۔ خوارج وہی فرقہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے '' یمرقون من الدین '' (وہ نکل جائیں گے دین سے) کا خطاب پا چکا ہے ، اور اسی بنیاد پر انہیں '' خوارج '' (نکلنے والے) کہا جاتا ہے ۔ لیکن مسٹر لاہوری کے نزدیک یہ مارقین ، جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت سے خارج قرار دے دیا ہے ، گویا اعلیٰ درجے کے مجتہد اور اولیاء اللہ تھے ۔ (بعید نہیں کہ موصوف ان کو مرزا صاحب کی طرح مصلح و مجدد ، ملہم من اللہ بلکہ ظلی نبی بھی مانتے ہوں) اس لئے ان مارقین کے قول کو بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع میں قادح سمجھتے ہیں ۔ خوارج کے قول کی مسٹر لاہوری کے نزدیک یہ اہمیت قرآنی الفاظ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ کی تصدیق کرتی ہے ۔

مسٹر لاہوری کی ان تمام بے اصولیوں کا منشا یہ ہے کہ وہ اجماع کی حقیقت اور اس کے شرائط ہی سے بے خبر ہیں اس لئے وہ کبھی '' ان اناسا یقولون '' کا حوالہ دیتے ہیں کبھی خوارج کا ۔ شاید ان کے خیال میں اجماع اسی وقت منعقد ہوتا ہے جب اس مسئلہ سے کوئی بے ایمان ملحد و زندیق بھی اختلاف نہ کرے ۔ حالانکہ اجماع اہل حق کا معتبر ہے ۔ اہل باطل کا قول لائق اعتبار اور قادح اجماع نہیں ۔ اسی طرح اجماع صرف اہل علم و اجتہاد کا معتبر ہے ۔ للو پنجو قسم کے لوگوں کا اعتبار نہیں کسی مسئلہ پر اہل اجتہاد میں اختلاف کا رونما نہ ہونا اجماع کی دلیل ہے ۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ '' ازالۃ الخفا '' (۱ - ۲۶) میں لکھتے ہیں :

'' معنی اجماع کہ بر زبان علماء دین   '' تم نے '' اجماع '' کا لفظ علماء دین

شنیده باشی ایں نیست که همه مجتهدین ۔ لایشذ فردٌ در عصرِ واحد بر مسئلهٔ اتفاق کنند ۔ زیرا که ایں صورتے است غیر واقع ۔ بل غیر ممکن عادی ۔ بلکه معنی اجماع حکم خلیفه است بچیزے بعد مشاورۃ ذوی الرائے یا بغیر آں ۔ ونفاذ آں حکم تا آنکه شائع شد ودر عالم ممکن گشت ۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث

کی زبان سے سنا ہوگا ۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تمام مجتہدین کسی زمانے میں ایک مسئلہ پر اس طرح اتفاق کرلیں کہ کوئی فرد بھی باہر نہ رہے ۔ کیونکہ یہ صورت کبھی واقع نہیں ہوتی ۔ اور نہ عادۃً ایسا ہونا ممکن ہے ۔ بلکہ اجماع کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۂ راشد ، ذوی الرائے حضرات کے مشورے کے بعد یا بغیر مشورے کے ، کوئی فیصلہ کرے ، اور وہ فیصلہ نافذ ہوجائے ۔ تاآنکہ وہ شائع اور مشہور ہوجائے ۔ اور دنیا میں ثابت و راسخ ہوجائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : میری سنت کو لازم پکڑو ، اور میرے بعد کے خلفاء راشدین کی سنت کو ۔"

اگر ہمارے دین کے اجماعی مسائل پر غور کیا جائے تو ایک ایک مسئلہ میں یہی صورت ثابت ہوگی جو حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھی ہے ۔ یعنی خلیفۂ راشد نے حکم دیا اور تمام مجتہدین امت نے اسے قبول کرلیا ۔ ٹھیک یہی حیثیت رجم کی بھی ہے ۔

تیسرا شبہ :

مسٹر محمد علی لاہوری مزید لکھتے ہیں :

" اصل پرکھ یہی ہے کہ ایک بات کتاب اللہ میں ہے یا نہیں ؟ اگر کتاب اللہ میں صراحت ہے تو کوئی حدیث اس کے خلاف قبول نہیں کی جاسکتی ۔ اگر کتاب اللہ میں اجمال ہے ۔ یا مسئلہ نہیں تو حدیث سے لیں گے ۔ اس کے بعد قیاس

ہے اور بس ۔ سو یہ بات کہ رجم زنا کی سزا ہے پہلے معیار پر ہی غلط ٹھہرتی ہے۔
اس لئے یہاں نہ حدیث کی ضرورت ہے ۔ اور نہ قیاس کی ۔ اور خلاف تصریح
قرآن جو حدیث یا قیاس ہو وہ قبول نہیں کیا جا سکتا ۔ اور اجماع محض ایک
وقتی حادثہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔" (حوالہ مذکور)

یہ مسٹر لاہوری کے نئے دین کا "اصول فقہ" ہے ۔ جو لوگ ظلی ، بروزی ، مجازی وغیرہ نئی نبوتیں تراش سکتے ہیں ۔ ان کے لئے نیا علم الکلام اور جدید اصول فقہ ایجاد کر لینا کیا مشکل ہے ۔ اہل عقل سمجھتے ہیں کہ لاہوری صاحب کا اصول فقہ یکسر غلط اور مہمل ہے ۔ اور زیر بحث مسئلہ پر اس کا انطباق بھی غلط ہے ۔

اولاً : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو قول وعمل توارث و تواتر کے ساتھ منقول ہو ـــــ اور فرض کیجئے وہ کسی قرآنی مسئلہ کے خلاف ہو ـــــ لاہوری صاحب اگر اس کو نظر انداز کر کے قرآن کریم کو لیں گے تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ یا تو یہ کہا جائے کہ امت نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے میں غلطی کھائی ہے ، حالانکہ جس امت نے قرآن کریم ہم تک نقل کیا ہے اسی امت نے طبقہ در طبقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل بھی تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے ، سوال یہ ہے کہ اگر امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنے پر (معاذ اللہ) متفق ہو سکتی ہے ۔ اور اسی غلط بات کو تواتر کے ساتھ طبقہ در طبقہ نقل کر سکتی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ اس امت نے قرآن کریم صحیح نقل کیا ہے ۔ اور اس کے کسی لفظ میں اسے دھوکہ اور غلطی نہیں ہوئی ہے ، جب امت کے ایک تواتر کو آپ تسلیم نہیں کرتے تو قرآن کریم کو کس بنیاد پر تسلیم کر سکتے ہیں ۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ امت نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل صحیح نقل کیا ، اور اس کے تواتر میں کوئی شبہ نہیں ، لیکن لاہوری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ماننے کے لئے تیار نہیں ۔ اس صورت میں سوال ہو گا کہ قرآن بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے ہی پر مانا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

ارشاد کو ماننا اور دوسرے قطعی ارشاد سے منکر ہو جانا ایمان ہے یا خالص کفر ؟

ثانیاً : مسٹر لاہوری تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کتاب اللہ میں اجمال ہے ۔ یا مسئلہ نہیں تو حدیث سے لیں گے ۔ زیر بحث مسئلہ میں یہی صورت ہے کہ قرآن کریم میں شادی شدہ زانی کی سزا کی صراحت نہیں کی گئی ۔ " الزانیۃ والزانی " کے الفاظ ہیں ۔ لیکن اس میں احتمال ہے کہ اس سے آزاد و غلام اور شادی شدہ و غیر شادی شدہ ہر قسم کے زانی مراد ہیں یا ان میں سے کوئی خاص قسم مراد ہے ، سورۃ النساء کی آیت ۲۶ نے بتایا کہ شادی شدہ باندی اس میں شامل نہیں ۔ بلکہ ان کی سزا اس سے آدھی ہے ، (غیر شادی شدہ باندی اسی طرح شادی شدہ یا غیر شادی شدہ غلام کا بھی یہی حکم ہوگا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت متواترہ نے بتایا کہ شادی شدہ مرد و عورت بھی اس میں شامل نہیں ۔ ان کے لئے سزائے رجم ہے جس کو قرآن نے " حکم اللہ " اور " ما انزل اللہ " فرمایا ہے ۔ پس قرآن کریم اور سنّت مطہرہ سے آیت کا مفہوم متعین ہو گیا کہ اس میں غیر شادی شدہ آزاد مرد و عورت کی سزا ذکر کی گئی ہے مسٹر لاہوری جو اپنے اس اصول کا اطلاق زیر بحث مسئلہ میں نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ " الزانیۃ والزانی " کے الفاظ کو عام سمجھ رہے ہیں ، حالانکہ یہ عام نہیں ۔ مخصوص مِنْہُ البعض ہے ۔

ثالثاً : مسٹر محمد علی صاحب قرآن و حدیث کے بعد سیدھے قیاس پر پہنچتے ہیں ۔ اجماع امّت کو وہ " وقتی حادثہ کا فیصلہ " کہکر نظر انداز کرتے ہیں ۔ اوّل تو ہر دور کے اکابر امّت شرقاً و غرباً قرآن و حدیث کے بعد " اجماع امت " کو ذکر کرتے ہیں ، مسٹر صاحب کے اصول سے لازماً آئے گا کہ یہ سب نعوذ باللہ فریب خوردہ بلکہ گمراہ تھے ۔ کہ ایک ایسی چیز کو ، جو شرعی دلیل کا درجہ نہیں رکھتی ، شرعی دلیل سمجھتے رہے ۔ پس مسٹر صاحب کے جس اصول سے تمام اکابر امّت کا گمراہ ہونا لازم آتا ہے ۔ وہ بالبداہت غلط ہے ۔ دوسرے ، وہ قیاس کو حجت شرعیہ مانتے ہیں ، حالانکہ قیاس فرد واحد کی اجتہادی رائے کا نام ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جو شخص فرد واحد کے قیاس و اجتہاد کو تو حجت شرعیہ تسلیم کرتا ہو ، لیکن تمام مجتہدین کے اتفاقی

واجماعی فیصلے کو حجت شرعیہ تسلیم نہ کرے، کیا اسے صحیح العقل تصور کیا جائے گا۔

سابعاً: مسٹر صاحب کا اجماع کو "وقتی حادثہ کا فیصلہ" کہنا بھی ایسی عجیب و غریب بات ہے کہ شاید وہ اس کا مطلب خود بھی سمجھنے سے معذور رہوں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے براہِ راست تربیت یافتہ اور نزول قرآن کے عینی شاہد ہیں وہ کسی مسئلہ پر قرآن وسنّت کی روشنی میں اتفاق کرتے ہیں، اور کسی حادثہ میں "اجماعی فیصلہ" صادر کرتے ہیں تو جو لوگ خدا ورسول پر ایمان رکھتے ہوں وہ صحابۂ کرامؓ کے اس اجماعی فیصلے سے کبھی خروج نہیں کر سکتے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ خدا و رسول کا منشا سمجھنے کی جس قدر صلاحیت رکھتے تھے بعد کے کسی شخص کو وہ صلاحیت میسّر نہیں آسکتی۔ اس لئے ان کے اجماعی فیصلے کو "وقتی" کہکر اس سے انحراف کرنا محض ہوائے نفس کی پیروی و گمراہی ہے ـــــ خوارج سے لیکر مسٹر محمد علی لاہوری تک سب اسی وادی ضلالت کے گم گشتہ مسافر ہیں۔ کذلک یضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ مایشاء۔

چوتھا شبہ:

رجم کی منسوخ شدہ آیت، جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں آیا ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے قادیانیوں کی لاہوری شاخ کے ایک وکیل نے لکھا ہے:

> "جو الفاظ حدیث میں آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ بالکل بے معنی ہیں۔ آپ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ قرآن مجید میں ایک آیت تھی۔ جس کو آپ تحریر کر دیتے۔ مگر ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے قرآن میں اضافہ کر دیا۔ یعنی اس میں اس چیز کو بڑھا دیا۔ جو درحقیقت اس کا حصہ نہیں ہے۔ ایک ہی آیت کے متعلق بیک وقت یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن مجید کا حصہ بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔"[1]

معترض صاحب اپنی روایتی خوش فہمی کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب

---

[1] محمد لطیف: "اسلامی قوانین کا نفاذ قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں" (ص ۴۲)

نہیں سمجھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو بات فرما رہے ہیں وہ یہ ہے کہ رجم کا حکم قطعی ہے ۔ اس کے بارے میں قرآن کریم کی ایک مستقل آیت بھی نازل ہوئی تھی جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ۔ لیکن حکم باقی ہے ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر ملاعدہ رجم کے حکم کا اس بنا پر انکار کر ڈالیں گے کہ وہ قرآن کریم میں صراحۃً مذکور نہیں ۔ اس لئے جی چاہتا تھا کہ میں اس حکم کی قطعیت کو اجاگر کرنے کے لئے اسے قرآن کریم کے حاشیہ میں ایک نوٹ کی حیثیت سے درج کر دیتا ۔ مگر چونکہ غیر قرآن کو قرآن میں درج کرنا مستحسن نہیں ۔ لوگ کہیں گے کہ عمر نے قرآن میں اضافہ کر دیا اس لئے اسے درج نہیں کرتا ۔

پس آیت رجم کا قرآن متلو کا حصہ نہ ہونا بھی صحیح ہے ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم رجم کی قطعیت ظاہر کرنے کے لئے اسے مصحف کے حاشیہ میں (ایک نوٹ کی حیثیت سے ۔ نہ کہ اس کے قرآن ہونے کی حیثیت سے) درج کرنے کا ارادہ بھی صحیح ہے ، اور پھر اس اندیشہ سے کہ غیر قرآن کو قرآن میں درج کرنے کا طریقہ پسندیدہ نہیں ، لوگ خواہ مخواہ اس پر چہ میگوئیاں کریں گے ، اس ارادے سے باز رہنا بھی صحیح ہے ۔

پانچواں شبہ :

یہی صاحب مزید لکھتے ہیں :

" حدیث ہی سے ایک اور شہادت بھی ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کم از کم ایک موقعہ پر (اور یہ ثقہ روایت ہے) جیسا کہ سورۂ نور میں حکم ہے ، زانی کو زنا کی سزا میں کوڑے لگوائے اور سنگسار نہیں کیا ۔ بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے عاملین میں سے ایک کو جس کا نام حمزہ تھا ۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ایک شادی شدہ مرد نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا ، اور اس کو حضرت عمرؓ نے سو کوڑے لگوائے تھے ، تو اس نے حضرت عمر کی خدمت میں اس معاملہ کو پیش کیا ۔ اور آپ نے اس کی تصدیق کی ۔ بخاری کتاب ۳۹ الکفالہ ۔ باب الکفالۃ فی القرض والدیون ۔" (حوالۂ مذکور)

معترض صاحب نے اگر واقعہ کے نقل کرنے میں دیانت و امانت سے کام لیا ہوتا تو اسے اپنے استدلال پر خود شرم آتی ۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ کے حوالے سے جو قصہ نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدقات کی تحصیل کے لئے کسی جگہ بھیجا تھا ۔ وہاں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی سے صحبت کی ہے ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُسے فرمایا کہ "میں تجھے رجم کروں گا"۔ وہاں کے لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ اس شخص کا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت سے فیصل ہو چکا ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جہالت کی بنا پر معذور سمجھا تھا ۔ اس لئے اس پر رجم کا حکم نہیں فرمایا تھا بلکہ کوڑے لگوائے تھے ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ضمانت لی ۔ اور اس شخص کو مع ضامنوں کے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا ۔ آپؓ نے ضامنوں کی تصدیق فرمائی ۔ اور اس شخص کو جہالت کی وجہ سے رجم کا مستحق نہیں سمجھا ۔

(فتح الباری ص۳۸۴ ج ۴ میریہ)

واقعہ کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اس شخص کو رجم نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ رجم شرعی سزا نہیں ۔ بلکہ شُبہ فی الفعل کی وجہ سے حد ساقط کر دی گئی تھی ۔ چونکہ وہ شخص اپنی نادانی و بے علمی کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ جس طرح بیوی میرے لئے حلال ہے اسی طرح اس کی باندی بھی حلال ہو گی ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کے جہل کی وجہ سے معذور سمجھ کر ۔ حد تو ساقط کر دی لیکن تعزیر کے طور پر سو کوڑے لگائے ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں نقل کر چکا ہوں کہ فقہائے امت کے نزدیک جب کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کرے تو اگر وہ یہ کہتے کہ میں نے اسے حلال سمجھ کر صحبت کی ہے تو یہ شُبہ فی الفعل ہے جس سے حد ساقط ہو جائے گی ۔ البتہ وہ شخص تعزیر کا مستوجب ہو گا ۔ جو امام کی صوابدید پر ہے ۔ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی (آخری) مقدار سو کوڑے ذکر کی گئی ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق عمل فرمایا ۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں " اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس

وعذرہ بالجھالۃ (ص ۳۰۶ ج ۱۲) شخص کو جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا۔"

ظاہر ہے کہ جہالت کی وجہ سے معذور سمجھنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس شبہ کی وجہ سے اس سے حد ساقط کر دی گئی ۔ اور اسے تعزیر کا مستحق سمجھا گیا ۔

معترض صاحب نے ایک تو واقعہ کے نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا ۔ پھر حد اور تعزیر کے درمیان فرق نہیں کیا ۔ تعجب ہے کہ ایسے لوگ بھی اسلامی قانون کی تشریح قلم برداشتہ فرمائیں۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے چند فیصلے نقل کر دوں ۔

۱ ۔۔۔ حبیب بن الساف انصاری ملک شام جا رہے تھے ان کی اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا نے (جو پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد میں رہ چکی تھیں) اپنی ایک لونڈی یہ کہکر ان کے ساتھ کر دی کہ اسے وہاں فروخت کر دیں ۔ وہ ملک شام پہنچے تو انہوں نے یہ باندی خود خرید لی ۔ مدینہ واپس آئے تو باندی حاملہ تھی ۔ بیوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی ۔ شوہر نے کہا کہ اس نے مجھے فروخت کرنے کو کہا تھا ۔ میں نے خود اپنے لئے رکھ لی ۔ بیوی کو اس سے انکار تھا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے شوہر حبیب بن الساف کو رجم کرنے کا ارادہ کر لیا تو بیوی کی قوم نے اسے سمجھایا بجھایا اس پر اس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے فروخت کرنے کی اجازت دی تھی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلط شکایت لگانے پر اس کے اسّی دُرّے لگوائے ۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۲۴۸ ج ۷)

۲ ۔۔۔ ایک اور عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی شکایت کی تو شوہر نے کہا کہ اس نے لونڈی مجھے ہبہ کر دی تھی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

لتاتین بالبینۃ او (چونکہ عورت ہبہ سے منکر ہے اس

لارضخن رأسك بالحجارة ۔ لئے) اس پر گواہ لاؤ۔ ورنہ تیرا سر پتھروں سے کچل دوں گا۔ یعنی سزائے رجم جاری کروں گا۔

جب عورت نے دیکھا کہ اس کے شوہر کو سنگسار کیا جا رہا ہے تو اقرار کر لیا کہ واقعی میں نے اس کو ہبہ کر دی تھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو حدِّ قذف لگائی۔ اور شوہر کو چھوڑ دیا

(حوالہ بالا)

یہی شکایت ایک عورت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کی تو فرمایا:

ان تکونی صادقۃ نرجمہ — "اگر تو سچی نکلی تو ہم تیرے شوہر کو رجم کریں گے۔ اور اگر تو جھوٹی ہوئی تو تجھے کوڑے لگائیں گے۔"

وان تکونی کاذبۃ نجلدك

اتنے میں نماز کھڑی ہو گئی تو وہ عورت رفوچکر ہو گئی۔ (حوالۂ بالا ص ج ۳۰، ص ج ۲۴۸)

اِن واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین اس شخص پر بھی سزائے رجم جاری کرتے تھے جو یہ جانتے ہوئے کہ بیوی کی لونڈی میرے لئے حلال نہیں ہے۔ اس سے صحبت کرے۔

✲

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی چند اہم تصانیف و تراجم

- عزیز تمند مومن باپ کے نام — قیمت ۱۴ روپے
- اصلاح معاشرہ اور اسلام — قیمت روپے
- راہِ ہدایت و عمل — قیمت ۱۵ روپے
- مقدس باتیں — قیمت روپے
- رسول اکرمؐ کی پچپن وصیتیں — قیمت ۱۹ روپے
- نصیحتیں اور وصیتیں — قیمت ۱۶ روپے
- جہاد — قیمت ۶۰ روپے
- اسلامی آدابِ معاشرت (۲ حصے) — قیمت روپے
- تعلیم الاسلام (۲ حصے) — قیمت ۲، ۷ روپے
- مناجات سید احمد العلاوی — قیمت روپے
- شادی بیاہ کا دین اور اسلام کی روشنی میں انکا حل — قیمت ۳۸ روپے
- سنتِ نبویہ اور قرآن کریم — قیمت ۳۰ روپے
- السنۃ النبویۃ ومکانتہا فی ضوء القرآن الکریم — قیمت ۶۵ روپے
- کشف النقاب عما یقولہ الترمذی وفی الباب — قیمت فی جلد روپے
- الامام الترمذی وتخریج کتاب الطہارۃ من جامعہ — قیمت ۱۹۰ روپے
- القصائد النبویۃ — قیمت ۵۰ روپے
- جامعۃ دیوبند الاسلامیۃ فی ضوء المقالات البنوریۃ — قیمت روپے
- مجرّباتِ بنوریہ — قیمت ۴۰ روپے
- اسلام اور تربیت اولاد — ۲ جلدیں قیمت ۲۵۰ روپے
- المقدمات البنوریۃ — قیمت ۵۰ روپے
- جنت کی چالیس راہیں — قیمت ۲۰ روپے
- اسلام اور شادی — قیمت ۲۴ روپے
- علماء مبلغین اور مجاہدین کے نام — قیمت ۱۸ روپے
- قلب — قیمت ۱۶ روپے
- اطاعت والدین — قیمت ۱۷ روپے
- جنت کی نعمتیں اور ان تک پہنچنے کا راستہ — قیمت ۱۲ روپے
- اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے نام — قیمت ۱۶ روپے
- مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں — قیمت ۱۴ روپے
- جنّت — قیمت ۱۶ روپے
- دوزخ — قیمت ۱۵ روپے
- چالیس حدیثیں — قیمت ۱۰ روپے
- بصائر و عبر (دو جلدیں) — قیمت روپے
- مجموعہ سیرت الرسول — قیمت روپے
- مسلمان نوجوان — قیمت ۴۲ روپے
- ہمارا معاشرہ — قیمت روپے
- کتاب الآثار — قیمت روپے
- منتخب ریاض الصالحین — قیمت روپے
- دل کو موم کیجئے — قیمت روپے
- اسلام اور مزدور — قیمت ۵۰/۱۰ روپے
- عورت اور معاشرہ — قیمت ۱۱ روپے
- غربت اور فقر و فاقہ — قیمت روپے
- دولت اور زندگی برائے اطاعت خداوندی — قیمت روپے
- لالچ آرزو اور صبر و توکل — قیمت روپے
- نام و نمود اور ریاکاری خوف اور گریہ و زاری — قیمت روپے
- حالات کی تبدیلی اور وعظ و نصیحت — قیمت روپے
- تواضع اور گوشہ نشینی — قیمت روپے
- فضائل اعمال — قیمت روپے
- خطبات جمعہ، عیدین، نکاح — قیمت روپے

ناشر: دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۷۴۸۰۰